(قال اللہ تعالیٰ) يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (الآیۃ)

راہ ہدایت

شیخ الحدیث امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

(قال اللہ تعالیٰ) یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ (الآیۃ)

(وقال علیہ السلام) واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ (الحدیث)

اُسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر　　یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

ہدایۃ المرتاب الیٰ طریق الصواب

فی تحقیق

ان المعجزۃ والکرامۃ فعل اللہ تعالیٰ وان المعجزات والکرامات علیٰ القول الصحیح اُمور غیر عادیۃ ولہا اسباب خفیۃ وان اللہ تعالیٰ ھو المختار لما یشاء وھو المتصرف فیما فوق الاسباب

الموسوم بہ

راہ ہدایت

جس میں بڑی تحقیق اور جستجو و عرق ریزی سے قرآن کریم، صحیح احادیث اور آئمہ اہل السنت والجماعت کی معتبر اور مستند عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی اور ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے ان کا اس کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور نیز یہ کہ معجزات و کرامات علی الصحیح اُمور غیر عادیہ اور ان کیلئے اسباب خفیہ ہیں اور یہ کہ مافوق الاسباب طریق پر مختار کل اور متصرف فی الامور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور نیز فالمدبرات امرا کی احسن طریق پر تفسیر کر دی گئی ہے اور معجزات و کرامات اور مافوق الاسباب تصرفات کے سلسلہ میں فریق مخالف کے جملہ پیش کردہ استدلالات کے مسکت جوابات دے دیئے گئے ہیں اور حضرت مرشدنا و مولانا حسین علیؒ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ پر بلغۃ الحیران کی ایک عبارت کے پیش نظر فریق مخالف کی طرف سے جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا دندان شکن جواب بھی دیا گیا ہے جو صرف اسی کتاب میں آپ کو ملے گا۔ علاوہ ازیں متعدد ابحاث اس میں مذکور ہیں جو بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

احقر الناس: ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر

۱۱۔ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ - ۲۵- ستمبر ۱۹۵۸ء - یوم الخمیس

طبع ششم .... فروری ۲۰۰۵ء
۵

نام کتاب .... راہ ہدایت
مؤلف .... امام اہل سنت شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم
مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور
تعداد .... گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت .... ۴۸/ (اڑتالیس روپے)
ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کامی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ ☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت ☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ ☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ط

کائنات کے ذرّہ ذرّہ اور ہر ہستی کو خدائے ذوالمنن کے جود وکرم نے ایک مخصوص و ممتاز شکل وصورت عطا فرمائی ہے اور وہ اپنی مستور اور پوشیدہ حقیقت کو اپنے نام سے اسی شکل وصورت میں نمایاں کر سکتی ہے جس کا لباس خلقی اور فطری طور پر اسے پہنا دیا گیا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (پ۱۶ ۔ طٰہٰ) ہمارا پروردگار تو وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب بناوٹ عطا کی پھر رہنمائی فرمائی .

کوئی صاحب ذوق وبصیرت اس کو کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ ایمان وکفر، توحید وشرک سنّت وبدعت ، اطاعت وتمرّد میں اتحاد واختلاط ہو جائے شائد کوئی دیوانہ بھی اس کو پسند نہ کرے کہ رات اور دن ایک شکل کے ہو جائیں ، نور وظلمت میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے اور سارے عالم کی شکل ایک ہو جائے دنیا کے سب سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر مذہب (اسلام) پر نگاہ ڈالئے تو بخوبی نظر آئے گا کہ وہ اپنے عالمگیر شعبوں عقائد وتصدیقات ، اعمال وعبادات ، معاملات وسیاسیات ، آداب ومعاشرات ، سلوک حالات ومقامات اور اسی طرح اپنے تمام روحانی خصائص وشمائل کی وجہ سے دوسرے تمام مذاہب وادیان سے بالکل ممتاز اور نمایاں ہے ، اور اس پاک مشرب اور معقول ملّت کی اعتقادی اور عملی خصوصیات نے اس پر عمل پیرا ہونے والے انسانوں کے مجموعہ کو دوسرے انسانی مجموعوں سے الگ اور ممتاز کر دیا ہے

اگر یہ مابہ الامتیاز اوصاف اور خصوصیات فنا ہو جائیں تو کوئی ملّت اپنے نام سے باقی نہیں رہ سکتی۔ پس اگر ایک عیسائی اپنی مذہبی خصوصیات کے دائرہ میں بت پرست قوموں سے جدا ہے۔ اور اگر ایک یہودی اپنے خصائص ملّت کے ذریعہ ایک نصرانی اور دشمن سے علیحدہ ہے اور اگر ایک بت پرست اور صنم پرست اپنی مخصوص مشرکانہ حرکات کے سبب ایک عیسائی اور پارسی سے ممتاز ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک اسلامی فرد اور ایک مسلم حنیف اپنی علمی اور عملی خصوصیات اور اپنے مخصوص مذہبی عقائد و اعمال اور اپنے مخصوص اخلاق و معاملات میں ان باطل فرقوں سے ممتاز اور نمایاں نہ ہو۔ قرآن کریم کی پاک اور محکم تعلیمات نے مسلمانوں کے ظاہر اور باطن کو غیر مسلموں سے بالکل الگ کر کے واضح احکام صادر فرمائے ہیں تاکہ مطیع و نافرمان، صادق و کاذب صاف طور پر نمایاں ہو جائیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ بعض غلط کار لوگوں کی طرف سے اسلام اور اہل السنت والجماعت کے نام سے خود ساختہ عقائد و اعمال کے رنگ میں ملّت کی ایک ایسی تشکیل کی جا رہی ہے کہ جس سے اصلی اسلام کی صحیح شکل و صورت مسخ ہوتی جا رہی ہے اور اگر کچھ مدّت اسی طرح دین پر سفاکانہ مشق جاری رہی تو وہ دن دُور نہیں کہ اس کے حقیقی خدوخال دنیا کی نگاہوں سے چھپ جائیں اور قلوب پر اسلامی حقائق بالکل مخفی ہو جائیں اور رفتہ رفتہ تمدّن کی دہلیز پر تدین کی دولتِ گرانمایہ نثار ہونی شروع ہو جائے اور اسلامی معاشرہ کا نہ علمی خاکہ رہے اور نہ عملی پتہ و نشان، مگر ایک مخلص موحد صحیح مسلمان سُنی المسلک اور حنفی نظریہ کے حامل کو دورِ حاضر کی زبوں حالی سے متاثر ہو کر مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتیں اب بھی ہمارے لئے ہیں بشرطیکہ ہم بھی کچھ کریں کیونکہ حرکت ہی میں برکت ہوتی ہے۔ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

سرور و نور و وجد و حال ہو جائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا
نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب
وہی پیدا کرے گا دن بھی کہ جس نے شب پیدا

توحید و سنت پر عمل پیرا ہونے کا اثر

ایک وہ زمانہ تھا جب کہ اس خیر الامم کا ایک ایک فرد سعادت و برکات کی زندہ تصویر اور خودداری و وقار کی تابندہ یادگار تھا، دنیا میں اُن کی مثالیں ہاتھ نہ لگتی تھیں اس لیے کہ وہ اپنی مثال خود ہی تھے۔ قومیں اُن سے لرزتی تھیں، تاج و تخت کے مالک اُن سے تھرّاتے تھے اور اُن کے نام سے بڑے بڑے مغرور دماغ ڈھیلے پڑ جاتے تھے، اس لیے کہ قوّت و شوکت اُن کے قدموں میں تھی، اقبال ان کے آگے آگے تھا، اور وہ ناکامی و تنزّل کو پسِ پشت پھینکتے ہوئے فوز و فلاح کی طرف بڑھتے چلے جاتے تھے، انہوں نے اپنی سچی ہمدردی اور مؤثر تقریروں سے سینوں کو برمایا، دلوں کو تڑپایا، روحوں کو گرمایا، آنکھوں کو برسایا، نفوس کو ڈرایا، مخفی قوتوں کو جگایا اور جاگتے ہوؤں کو تڑپایا، خود فراموشوں کو چونکایا، اور اس طرح منکروں اور سرکشوں کی جماعتوں میں اپنے حسنِ کردار سے تہلکے ڈال دیئے اور خدا کا حکم بلند کر دکھایا) اور یہ سب کچھ اس حکمتِ ربّانی اور نعمتِ یزدانی کی برکت سے تھا جس نے محبوب ربّ العٰلمین کی آغوش میں اس طرح پرورش پائی کہ اس کی بدولت سرزمین عرب کا ذرّہ ذرّہ آپ کا شیدائی اور فدائی بن گیا، اور کونہ کونہ پر حق کی صدا گونج اٹھی۔ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

اور یہی وہ حکمت تھی جس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی گلیوں اور کوچوں میں اور ان کے بازاروں اور محلوں میں بلکہ ہر ہر گھر میں توحید و رسالت کا ڈنکا بجا دیا اور یہی وہ حکمت تھی جس نے آتشکدہ فارس اور صنم کدہ عرب کو پرچم توحید کے سامنے سرنگوں کر دیا، اسلام ابر کرم کا چھینٹا، بوئے گل کا قافلہ، نسیم سحر کی موجِ حیات تھا، جو کوہ سعیر اور فاران کی چوٹیوں پر جھوم جھوم کر آیا اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں عقائد و اعمال اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آگئی۔ درجہ بدرجہ چاند اور ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لیے غروب نہیں۔ طرح طرح کی بہاروں کے بعد کائنات عالم میں وہ سدا بہار موسم آگیا جس کے بعد پھر خزاں نہیں۔

سنتِ نبوی کی فیروزمندیاں رحمتِ ایزدی کا ابرِ بہار بن کر کوہ و دشت پر پھول برسانے لگیں۔ توحید کی وہی دعوت جو ایک بیگانہ آواز تھی اور جس کو ہر طرف اجنبی اور نامانوس سمجھا گیا تھا آواز دینے والی بزرگ ترین ہستی نے حسرت سے چاروں طرف دیکھا اور ہر طرف اُن کو وہی بیگانگی اجنبیّت اور مسافرانہ بیکسی کا منظر نظر آیا۔ رفتہ رفتہ اجنبیّت دُور ہوئی۔ بیگانگی کافور ہوئی۔ آواز کی صداقت اور نوائے حق کی کشش و صدائے اخلاق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا۔ کان والے سننے لگے اور جو سُننے لگے سر دھننے لگے یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیف سے معمور اور اس شرابِ حق سے مخمور ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیض کا چشمہ کبھی خشک ہونے نہیں پایا۔ آپ کے عمل اور سنت کا نمونہ آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ آپ کی اُمّت کی ضرورتیں کبھی زیادہ دیر تک اٹکی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے ان کو پورا کیا ہے اور اس طرح پر آپ کی مشعل نور سے براہِ راست مسلسل طریقہ پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مشعلیں روشن ہوتی رہی ہیں اور قیامت تک بفضلہٖ تعالیٰ ہوتی رہیں گی آپ کی کامل پیروی سے ہر زمانہ میں اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسے انسان پیدا ہوتے رہے ہیں جن سے آپ کی سنت کی یاد تازہ ہوتی رہی ہے اور ان فرزندان اسلام نے خدا کی راہ میں جان و مال کو قربان کیا تاکہ دنیا کو آباد کریں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مٹایا تاکہ دنیا کی مٹی ہوئی مذہبی اور روحانی یادگاریں پھر زندہ ہو جائیں۔ انہوں نے اپنے قیمتی خون کو بہایا تاکہ دنیا کے چہرے بُشرے کا وہ آب و رنگ پھر عود کر آئے جس کو کافروں اور مشرکوں کے قولی اور فعلی وحشیانہ حملے ایک حد تک سیلاب کی طرح بہا لے گئے تھے۔ انہوں نے غیظ و غضب اور سبّ و شتم سے قطعاً دُور رہ کر اپنے دلائل و براہین کے استحکام اور اپنی تقریر کے اثبات کے لیے شیریں مقالی دل نشین طرزِ کلام اور پُر از معلومات علمی و تحقیقی جواہر ریزوں اور مواعظِ حسنہ اور نصائح دل پسند کے گوہر بے بہا سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے اپنی زبانیں اور قلم وقف کیے اور درشت کلامی دلخراش طرزِ گفتگو اور طعنہ ہائے پُر تحقیر سے اجتناب کرتے ہوئے مخالفین کو صرف یہی کہا کہ ع۔

کلکِ ما نیز زباں می و بیانے دارد

توحید و سُنّت سے رُوگردانی کرنے کا نتیجہ

لیکن آہ! آج اسی درخشاں قوم کے افراد ناکام تمنا اور محروم اقبال انسان بن چکے ہیں وہ انسان کہ انسانیت ان سے شرما رہی ہے اور مکارمِ اخلاق کو ان سے بٹہ لگ رہا ہے۔ ع

ابتداء وہ تھی انتہا یہ ہے

ماضی کے سامنے حال کو شرمانا پڑ رہا ہے۔ آہ! کہ جو بزم ہمیشہ بادہ بجام رہی ہے آج وہ آتش بجام نظر آ رہی ہے کیونکہ وہ قدیم سکون و طمانیّت کی شفاف فضائیں اور یمن و سعادت کی بلند سطحیں اور جاہ و جلال اور علم و تحقیق کے وہ ارفع مناظر ہمارے سامنے نہیں ہیں اور نہ وہ روحانی طور پر مقدس ہستیاں موجود ہیں جن سے شفائے روحانی کا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے؟ آہ ؎

پیرِ مغاں کا دَم کہاں اُس کی وہ بزمِ جَم کہاں
بادہ نہیں تو ہم کہاں زیست یہ زیست ہی نہیں

امّتِ مسلمہ کے سر پر جب کہ ایک مبارک عہد نے اپنا ظلِ ہمایونی ڈالا تو وہ اتنی خوددار اور باجبروت ہوئی کہ اس کی حیرت انگیز طاقت نے قیصر و کسریٰ کی منظم حکومتوں کے تخت اُلٹ دیئے عالم کی حکمرانیوں کے نقشے بدل دیے اور دُنیا کی کایا پلٹ دی اور اسی قوم پر جب قرآن و سُنّت سے اعراض اور علم و عمل سے محرومی کا دَور آیا تو وہ اتنی بیوزن اور محروم وقار ہو گئی کہ آج دنیا نے مِل کر اس کا نقشہ بدل دیا۔ اور اقوام عالم نے خود اُس کی کایا پلٹ دی کہ غیر تو غیر تھے برائے نام اسلام کے نام لیوا بھی اُس کی اصطلاحات اور حدود و تعریفات کو بدلنے کے درپے ہیں۔ اور اپنی عقلِ نارسا کی زنجیروں میں تعلیماتِ اسلام کو جکڑنے کی فکر میں ہیں مگر محافظِ حقیقی کا وعدہ ہے کہ اس اسلام کے اَبدی سرچشمہ کو قیامت تک محفوظ رکھے گا۔ جو اِس آفتابِ عالمتاب پر تھوکنے کی بے جا کوشش اور کاوش کرے گا تو گویا اس نے اپنے مُنہ پر تھوکنے کی کوشش کی کہنے والے نے کیا پتے کی بات کہی ہے ؎

نُورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

غرضیکہ قرآن وحدیث توحید وسُنّت سے اعراض کرنے اور اُن سے رُوگردانی کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ کفر وشرک بدعت اور رسم ورواج پھیلا جا رہا ہے، اور جہالت کے جراثیم اندر ہی اندر سے مسلمان کی روحانی صحت کو فنا کئے جا رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ روحانی عطائیوں سے بیچارے عوام کی جانیں کب چھوٹ سکتی ہیں۔ وہ تو جونکوں کی طرح بزبانِ حال یہ کہتے ہوئے کہ "مان نہ مان میں تیرا مہمان" عقائد واعمال اور اخلاق کے ایک ایک قطرے کو چوس رہے ہیں۔ خدا کرے کہ عامۃ المسلمین کو گندم نما جو فروشوں کے پہچاننے کا سلیقہ آجائے اور ایسا نہ ہو کہ بقول شخصے ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ مسلم قوم کی دینی دُنیوی تنزل کا واحد سبب ہی دینی علوم سے جہالت اور قرآن وحدیث اور توحید وسُنّت سے اعراض ہے اسی چور دروازے سے باطل پرست اور غلط کار لوگ داخل ہوتے ہیں اور لوگوں کے ایمان واخلاص اور اتباع اور اطاعت کے متاعِ عزیز کو لوٹ کر چلے جاتے ہیں اور کانوں کان خبر نہیں ہوتی جب تک ہر ایک مُسلمان مرد وزن اور بوڑھا وجوان قرآن وحدیث کی تعلیم سے آراستہ نہ ہوگا کبھی شیاطین الانس وجن کے اغواء سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ کبھی ضلالت وگمراہی سے بچ سکتا ہے ہر ایک صحیح العقیدہ مُسلمان کی دیرینہ آرزو یہی ہے مگر صد افسوس کہ ؎

اے میرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

سببِ تالیف

علمی اور تحقیقی میدان میں منصفانہ اور ناقدانہ رنگ میں جائز اور صحیح تنقید ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کو اپنی غلطی پر تنبیہہ اور اپنی علمی خامی پر آگاہی ہوتی ہے اور جس سے صحیح رائے قائم کرنے کا زرّیں موقع ملتا ہے بشرطیکہ تنقید صحیح اور علم وتحقیق پر مبنی ہو اور

ہر اہلِ علم اور منصف مزاج ایسی صحیح تنقید کا ہر وقت آرزومند اور متلاشی رہتا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی علمی بے بضاعتی اور عملی بے مائیگی کے ہوتے ہوئے توحید وسُنّت کے اثبات اور شرک وبدعت کی تردید میں کافی عرصہ ہو چکا ہے کہ چند کتابیں لکھی تھیں۔ جن کو ہند وپاک کے مختلف مکتبِ فکر کے مُسلمانوں نے حتّٰی کہ جیّد اور محقق علمائے کرام نے بے حد پسند فرمایا۔ اور بعض کتابوں پر ہماری استدعا کے پیشِ نظر علمی اور بلند پایہ تقریظیں بھی انہوں نے تحریر فرما کر ہماری ہمّت افزائی کی جن میں بعض چھپ بھی چکی ہیں اور بعض ابھی طبع نہیں ہوئیں۔ کچھ عرصہ سے یہ سُنتے سُنتے ہم اکتا گئے تھے۔ کہ ہماری کتاب "دل کا سرور" کا جواب لکھا جا رہا ہے ایک گونہ خوشی ہوئی کہ فریقِ مخالف کے کسی زندہ دل صاحب کو کم وبیش دس[10] بارہ[12] سال کے عرصہ کے بعد ہی ہماری ایک کتاب کی تردید لکھنے کی توفیق وہمت ہوئی ہے یہاں تک کہ فریقِ مخالف کی طرف سے وہ تردیدی کتاب بنام "نورِ ہدایت" طبع ہو کر ہمارے پاس پہنچی اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس مشہور عالم اور زبان زد خلائق مثال کی کہ "کھودا پہاڑ نکلا چوہا" (مگر خدا کی شان وہ بھی بالکل مُردہ) حقیقت سمجھ آئی اور یہ معلوم ہوا کہ اس کے مؤلف کا نظریہ معجزات وکرامات وغیرہ کے بارے میں سراسر غیر اسلامی ہے، اور یہ بھی کہ وہ قرآن کریم وحدیث شریف اور کُتبِ قوم سے بالکل ناواقف اور نابلد ہیں۔ اور دیانتہً ان کے لیے مناسب ہے کہ وہ کسی اچھے مدرسہ میں (اور وہ علماء دیوبند کی سرپرستی کے بغیر اور کہاں ہو سکتا ہے؟) رہ کر کچھ عرصہ علم حاصل کریں تاکہ ان کو کھری اور کھوٹی، حق اور باطل، صحیح اور غلط بات کی تمیز ہو سکے۔

قارئین کرام یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوں گے کہ مؤلف نورِ ہدایت نے دیگر اغلاط کا تو کہنا ہی کیا ہے، صرف معجزہ (اور کرامت) کے بارے میں چار فاحش غلطیاں کی ہیں کہ ہر ایک اہلِ علم کو دیکھ کر ان پر ہنسی آتی ہے۔ پہلے تو انہوں نے معجزہ کی تعریف غلط سمجھی اور غلط کی۔ پھر[2] معجزہ اور کرامت کو نبی اور ولی کا فعل قرار دیا۔ پھر[3] معجزات (اور کرامات) کو مطلقاً مافوق الاسباب کہا۔ اور پھر ان[4] معجزات (وکرامات) پر حاصل شدہ قدرت سے

انبیاء کرام (اور اولیاء عظام) علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مختار کل اور متصرف فی الامور ہونا ثابت کیا اور قدم قدم پہ ٹھوکریں کھائیں اور اس کا پورا پورا ثبوت دیا کہ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ
ہم نے ان کی کتاب "نورِ ہدایت" کے بعض مصالح کی بناء پر دو حصے کر دیے ہیں۔ ایک حصہ وہ ہے جس کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ ہماری کتاب "دِل کا سُرور" سے ہے۔ طبع دوم چونکہ تقریباً ختم ہو رہا ہے اور طبع سوم کی تیاری ہے۔ اس لیے اس کا جواب تو ہم "دِل کا سُرور" طبع سوم میں عرض کریں گے انشاء اللہ العزیز۔ اور دوسرا وہ حصہ ہے جو "دل کا سرور" سے تعلق قریب نہیں رکھتا، اس حصہ کا جواب ہم نے اس کتاب میں دیا ہے، ہمیں اہلِ انصاف سے پوری توقع ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس کو پڑھیں گے اور غور فرمائیں گے کہ مؤلفِ نورِ ہدایت کا علمی پایہ کیا ہے؟ اور مسائل میں ان کا نظریہ کہاں تک درست ہے؟ اور ان کے دعاوی اور دلائل کا آپس میں کیا تناسب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس کتاب سے بخوبی ان کا علمی پس منظر اور پیش منظر واضح ہو جائے گا اور عامۃ المسلمین کو حق و باطل میں حدِ فاصل معلوم ہو جائے گی۔

بحمد اللہ تعالےٰ ہمارا دامنِ تحقیق قرآن کریم، صحیح احادیث اور سلف و صالحین کی صاف اور واضح تر عبارات کے قوی اور صحیح دلائل و براہین سے وابستہ ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اکابرین علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کا جو اس زمانہ میں صحیح معنیٰ میں اہل السنت والجماعت ہیں ائمہ دین کے قدم بہ قدم ہے اور ان کے عقیدہ اور عمل سے سرِ مُو انہوں نے تجاوز نہیں کیا اگرچہ کئی لوگ افراط و تفریط کی حدود کو پھاند کر دُور نکل گئے ہیں مگر یہ اکابر جہاں تھے وہاں ہی ہیں ؎

وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مُردے اکھڑ گئے
یہ میری جبینِ نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

یہ بات الگ ہے کہ غلط کار اور خود غرض لوگوں نے کسی وقت اور کسی زمانہ میں اہلِ حق کو کبھی نہیں بخشا، نہ تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معصوم گروہ مخالفوں کے غلط پروپیگنڈا سے محفوظ رہا

ہے اور نہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و ائمہ دینؒ وغیرہم کا گروہ، مگر سمجھدار اور اہلِ انصاف لوگ کبھی باطل پرستوں کے بیہودہ الزامات سے متاثر نہیں ہوئے۔ کم فہموں اور غرض پرستوں کی بات ہی نہیں ہو رہی، وہ تو ہر زمانہ میں رہے ہیں، اب بھی بکثرت موجود ہیں اور تا قیامت رہیں گے۔ اہلِ حق ہمیشہ سے راستی کے نہج پر گامزن ہوتے ہوئے سکونِ دل سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور جناب امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں مشغول و منہمک رہے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے بحمد اللہ تعالیٰ اب بھی اس میں مصروف ہیں کہ ؎

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

ہم قارئین کرام کے سامنے پہلے تو اکابرین علماء اسلام سے بشمول بعض اکابرین فریق مخالف معجزہ (اور کرامت) کی تعریف اور اسکی حقیقت نقل کرتے ہیں جس سے معجزہ وغیرہ کی تعریف کیساتھ بخوبی یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ معجزہ اور کرامت محض اللہ تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے اور اس کے اثبات پر ہم صرف علماء اسلام کی نقول اور عبارات پر ہی مدار نہیں رکھیں گے بلکہ قرآن کریم اور صحیح احادیث سے اس پر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ عرض کریں گے، اور اپنے دعوے اور استدلال کی توزیع کے لیے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض مفسرین سے تائید بھی عرض کریں گے اور پھر یہ عرض کریں گے کہ معجزہ اور کرامت مطلقاً مافوق الاسباب امور نہیں ہوتے بلکہ ان امور کے غیر عادی اور غیر ظاہری اسباب ہوتے ہیں مگر ان پر چونکہ کمال غالب ہوتا ہے اس لیے دوسرے اسباب عادیہ امور سے یہ ممتاز نظر آتے ہیں، اور معجزات و کرامات کے بارے میں جہاں جہاں اور جن جن عبارات سے مؤلف نورِ ہدایت نے اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے غلط استدلال کیا ہے، بڑے مختصر طریقہ پر ہم ان کی طرف بھی ہلکے اور بعض میں قدرے تفصیل سے اشارات کرتے چلے جائیں گے، اور پھر یہ عرض کریں گے کہ مؤلف نورِ ہدایت نے والمدبرات امرًا کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کس طرح ٹھوکر کھائی ہے اور جہالت کی وجہ سے اپنے اعلیٰحضرت کی بھی کس طرح صریح مخالفت کی ہے، اور اس کے علاوہ بھی بعض امور عرض ہوں گے۔ ع

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

ہم انشاء اللہ العزیز یہ کوشش کریں گے کہ ہر حوالہ اصلی کتاب سے بقید حروف نقل کر کے اس کا ساتھ ہی لفظی ترجمہ بھی عرض کر دیں تا کہ خواص و عوام دونوں برابر مستفید ہو سکیں اگر ہمارے نقل کردہ حوالوں میں کوئی غلطی ہو تو معقول طریقہ سے اس نشاندہی کے ہم مشکور ہوں گے اور بفضلہ تعالیٰ اصلاح کی کوشش کریں گے۔

بابِ اوّل

معجزہ کی تعریف اور اُس کی حقیقت

معجزہ لغۃً عجز سے مشتق ہے جو قدرت کی ضد ہے۔ حرف ھاء اس میں بائز مبالغہ کے لیے ہے اور یا لفظ معجزہ آیۃ وغیرہ کی صفت ہے۔ اور معجزہ کے اندر فعل عجز کو پیدا کرنے والا اور فی الحقیقت منکروں کو عاجز کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے، مگر نبی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

۱۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ المتوفی ۸۵۲ھ کہتے ہیں کہ

وسميت المعجزة معجزة لعجز من يقع عندهم ذٰلك عن معارضتها والهاء فيها للمبالغة او هي صفة محذوف واشهر معجزات النبي صلى الله عليه وسلم القران الخ

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۴)

اور معجزہ کو اس لیے معجزہ کہا جاتا ہے کہ جن کے پاس وہ پیش کیا جاتا ہے وہ اس کے معارضہ سے عاجز آجاتے ہیں اور حرف ہا اس میں مبالغہ کے لیے ہے (جیسا کہ لفظ علامہ میں) یا لفظ معجزہ صفت ہے اور اس کا موصوف (مثلاً آیۃ وغیرہ) محذوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ترین معجزہ قرآن کریم ہے۔

حافظ الدنیا نے معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد مشہور تر معجزہ (قرآن کریم) کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ مؤلف نور ہدایت (ص ۳۷) نے اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بحوالہ حاشیہ بخاری ص ۵۰۴ حافظ ابن حجرؒ سے جو معجزہ کی تعریف نقل کی ہے وہ معجزہ کی تعریف نہیں ہے بلکہ وہ تو انہوں نے تحدّی کی صورت بیان کی ہے حیف ہے اس تحقیق پر کہ مؤلف مذکور کو معجزہ

کی تعریف اور تحدّی کی تصویر میں بھی تمیز نہیں ہے۔ اور پھر حافظ ابن حجرؒ کی اُدھوری عبارت کو نقل کرکے اور اصل مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے جو یہ بہتان مؤلف مذکور نے قائم کیا ہے کہ حافظ حدیث کی تعریف سے واضح ہوا کہ معجزہ کو نبی کا فعل کہہ سکتے ہیں اور ان کے فعل و اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ بلفظہٖ (نور ہدایت صفحہ ۳۷)

تو یہ ان کی نری خوش فہمی بلکہ جہالت کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔ حافظِ حدیث تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزات میں سے قرآنِ کریم کو مشہور تر معجزہ کہتے ہیں۔ کیا مؤلف نورِ ہدایت کے نزدیک قرآن کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے کسب و فعل اور اختیار سے بنایا تھا؟ اور کیا حافظ ابن حجرؒ اس کے قائل تھے؟ ہوش میں آکر جواب دیں ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ماہم بر باد رفتہ باشد

۲۔ اور حضرت مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں کہ۔

معجزہ عبارت است از امر خارق عادت	معجزہ اُس خارق عادت امر کو کہا جاتا ہے جو منکرین
کہ بردست مدعی نبوت بمقابلۂ منکرین نبوت	نبوت کے مقابلہ میں مدعی نبوت کے ہاتھ پر صادر
صادر شود و کسے مثل او کردن نتواند۔	ہو۔ اور اس کی مثل لانے پر کسی کو قدرت حاصل
(مجموعۂ فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۸)	نہ ہو۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔

۳۔ حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ ارقام فرماتے ہیں کہ

المعجزة من العجز الذی هو ضد القدرة	معجزہ عجز سے (مشتق) ہے جو قدرت کی ضد ہے
وفی التحقیق المعجز فاعل العجز فی غیره	اور تحقیقی بات صرف یہ ہے کہ معجزہ وہ ہے جو
وهو الله سبحانه	غیر کے اندر عجز کا فعل پیدا کرے اور وہ صرف اللہ
(مرقاۃ ہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۳۰)	تعالیٰ ہی کی ذات مقدس ہے۔

اس عبارت سے بھی بصراحت یہ بات ثابت ہوگئی کہ درحقیقت معجز (یعنی عجز کا

فعل پیدا کرنے والا) صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور معجزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔

۴۔ رئیس المتکلمین قاضی ابوبکر ابن الطیب الباقلانیؒ المتوفی ۴۰۳ھ لکھتے ہیں کہ۔

فصل فی حقیقة المعجزة معنی قولنا	فصل معجزہ کی حقیقت میں۔ ہمارے اس قول
ان القران معجز علی اصولنا انه لا یقدر	کا مطلب کہ قرآن معجز ہے ہمارے اصول پر یہ ہے کہ
العباد علیه وقد ثبت ان المعجز	بندے اس پر قادر نہیں ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے
الدال علی صدق النبی صلی الله علیه	کہ معجزہ جو صدق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر دلالت کرتا
وسلّم لا یصح دخوله تحت قدرة	ہے اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ
العباد وانما ینفرد الله تعالیٰ بالقدرة	بندوں کی قدرت کے تحت داخل ہے بلکہ معجز کی
علیه ولا یجوز ان یعجز العباد عما	قدرت پر صرف اللہ تعالیٰ ہی منفرد ہے بھلا یہ کیسے
تستحیل قدرتهم علیه (الی ان قال)	جائز اور صحیح ہے جو یہ کہا جائے کہ بندے اس چیز سے
وکذلك معجزات سائر الانبیاء	عاجز ہو گئے ہیں جس پر ان کا قادر ہونا ہی محال ہے
علی هذا اه	(پھر آگے فرمایا کہ) اور یہی حال ہے تمام انبیاء کرام علیہم
اعجاز القران	الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا کہ وہ بھی داخل تحت
(برہامش اتقان جلد ۲۔ ص ۱۸۶)	قدرۃ العباد نہیں ہیں)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خواہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہو یا کسی اور نبی کا بہرحال اس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے اور یہ محض اسی کا فعل ہے بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

۵۔ اور علامہ قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض المالکیؒ المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں کہ۔

اعلم ان معنی تسمیة ماجاءت به	جاننا چاہیئے کہ جو (خارق عادت) چیز انبیاء کرام کے ہاتھ پر
الانبیاء معجزةً هو ان الخلق عجزوا	صادر ہوتی ہے اس کو اس لیے معجزہ کہتے ہیں کہ مخلوق اس
عنه فیعجزهم عنه هو فعل	کے ظاہر کرنے سے عاجز ہوتی ہے اور جب مخلوق اس سے
الله تعالیٰ دلّ علی صدق نبیّه (الی ان قال)	عاجز ہوئی تو معلوم ہوا کہ معجزہ خالص خدا تعالیٰ کا فعل

كاحياء الموتى وقلب العصا حيّةً واخراج ناقة من صخرةٍ وكلام شجرةٍ ونبع الماء من بين الاصابع وانشقاق القمر مما لا يمكن ان يفعله احد الا الله فيكون ذلك على يد النبي من فعل الله تعالیٰ وتحديه عليه السلام من يكذبه ان يأتي بمثله تعجيز له ۔ (شفاء صفحہ ۱۲۲)

ہی ہوگا جو نبی کی صداقت کی واضح دلیل ہے (پھر آگے فرمایا) جیسے مُردوں کا زندہ کرنا اور لاٹھی کو سانپ بنا دینا اور پتھر سے اونٹنی کا نکالنا اور درخت کا کلام کرنا اور انگلیوں سے پانی کا ابل پڑنا اور چاند کا پھٹ جانا (وغیرہ) یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اللہ کے بغیر کسی اور سے ان کا ہونا ممکن ہی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا فعل ہے جو نبی کے ہاتھ پہ صادر ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام نے مکذبین کو چیلنج کرکے ان کو اس فعل کے صادر کرنے سے عاجز کر دیا۔

یہ عبارت بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر اس کو صادر فرما کر ان کی نبوّت کو ثابت کر دیتا ہے۔

۶۔ اس کی شرح میں جناب علاّمہ محقق لکھتے ہیں کہ۔

قال المتكلمون وتختص المعجزة بكونها فعل الله تعالیٰ وليست داخلة تحت قدرة البشر ۔ (فتح الصفا شرح شفا ص)

متکلمین کہتے ہیں کہ معجزہ کے لیے یہ خصوصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور انسان کی قدرت کے نیچے داخل نہیں ہوتا۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ معجزہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔

۷۔ امام الفلاسفہ والمناطقہ محمد بن محمد الغزالیؒ المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں کہ۔

ووجه دلالة المعجزة على صدق الرسل ان كل ما عجز عنه البشر لم يكن الا فعلا لله تعالیٰ فمهما كان مقرونا بتحدي النبي صلى الله عليه وسلم ينزل

معجزہ انبیاء کرامؑ کی صداقت پر بایں طور دلالت کرتا ہے کہ جب کہ اس کے ظاہر کرنے سے تمام انسان عاجز ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہو گا اور پس اور جب یہ نبی کی تحدی سے مقرون ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تصدیق

منزلة قوله صدقت

کر دی کہ تو دعوائے رسالت میں سچا ہے۔

(احیاء العلوم جلد ۱ ص۹۷)

یہ عبارت بھی اس بات کی واشگاف دلیل ہے کہ معجزہ بس اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے

۸۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ الشیخ ابوطاہر القزوینیؒ المتوفی ـــــھ کی کتاب سراج العقول کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

اعلم ان البرهان القاطع على ثبوت نبوة الانبياء هو المعجزات وهي فعل يخلقه الله خارقا للعادة على يد مدعي النبوة معترفا بدعواه وذلك الفعل يقوم مقام قول الله عزوجلّ له انت رسولي تصديقاً لما ادعاه الخ (الیواقیت والجواھر جلد ۱ ص۱۵۸)

جاننا چاہیئے کہ انبیاء کرامؑ کی نبوت کے ثبوت پر واضح ترین دلیل صرف معجزات ہیں۔ اور معجزہ وہ فعل ہے جس کو خرقِ عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ مدعیِ نبوت کے ہاتھ پہ اس کے دعوائے نبوت کا اعتراف کرتے ہوئے صادر فرماتے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ تو اپنے دعویٰ رسالت میں بالکل صادق ہے۔

نیز الشیخ ابوطاہرؒ ہی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

انه لا يخفى ان المعجز حقيقة انما هو الله تعالیٰ فانه خالق العجز والقدرة وانما سمي الفعل الخارق للعادة معجزة على طريق التوسع والمجاز لا على الحقيقة كمن نظر الى صاعقة تقع من السماء فيقول انظروا الى قدرة الله وانما هي من آثار قدرته وذلك ان العجز انما يكون عن مقدور

بہ تحقیق یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عاجز کرنے والا در حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کیوں کہ وہی عجز و قدرت کا خالق ہے باقی رہا خارقِ عادت فعل کو معجزہ کہنا تو یہ بطور مجاز کے ہے حقیقتہً یہ فعل معجز نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آسمان سے بجلی گرتے ہوئے دیکھے اور یہ کہے کہ خدا کی قدرت کو دیکھو حالانکہ وہ بجلی خدا کی قدرت نہیں بلکہ اس کی قدرت کا ایک اثر ہے اور یہ اس لیے کہ در حقیقت عجز اس چیز سے ہوتا ہے جو قدرت کے تحت ہو اور مُتلازم رہے کا

علیه و لیس احیاء المیت مثلا من مقدور البشر حتی یقال ان فلانا عجز عن احیاء الموتیٰ (الخ (الیواقیت جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

زندہ کرنا تو بشر کی قدرت میں داخل نہیں ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ فلاں احیاء موتیٰ سے عاجز ہو گیا ہے۔

اس سے بھی صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ امر خارق للعادت کو معجزہ کہنا محض بطور مجاز ہے درحقیقت معجز (عاجز کرنے والا) وہ فعل نہیں جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ہستی اور ذات اس فعل کے ذریعہ مکذبین کو عاجز کرنے والی ہے جو حقیقی طور پر خالقِ عجز و قدرت ہے۔ اور یہ فعل مخلوق کی طاقت سے بالکل خارج ہے اور ان کا اس پر کوئی دسترس نہیں ہے۔

۹۔ مشہور مورخ اسلام علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون المغربیؒ المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں کہ۔

ومن علاماتهم ایضا وقوع الخوارق لهم شاهدة بصدقهم وهی افعال یعجز البشر عن مثلها فسمیت بذالک معجزة ولیست من جنس مقدور العباد وانما تقع فی غیر محل قدرتهم و للناس فی کیفیة وقوعها ودلالتها علی تصدیق الانبیأ خلاف فالمتکلمون بناء علی القول بالفاعل المختار قائلون بانها واقعة بقدرة الله لا بفعل النبی وان کانت افعال العباد عند المعتزلة صادرة عنهم الا

انبیاء کرامؑ کی علامات میں سے خوارقِ عادت کا وقوع بھی ہے جو ان کی صداقت پر شہادت دیتے ہیں اور وہ ایسے افعال ہوتے ہیں جن سے انسان عاجز ہیں اسی وجہ سے ان کو معجزہ کہا جاتا ہے اور یہ افعال ان افعال کی جنس سے نہیں ہیں جن پر بندوں کو قدرت ہوتی ہے بلکہ یہ افعال بندوں کے محلِ قدرت سے بالکل باہر ہوتے ہیں اور لوگوں کا معجزات کے وقوع اور ان کی تصدیق انبیاء پر دلالت کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے متکلمین کہتے ہیں کہ چونکہ فاعلِ مختار ایک ہی ہے اس لیے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں نبی کے فعل سے نہیں واقع ہوتے معتزلہ اگرچہ بندوں کے افعال کو خود ان سے صادر مانتے ہیں

ان المعجزة لا تکون من جنس افعالهم ولیس للنبی فیها عند سائر المتکلمین الا التحدی بها باذن الله وهو ان یستدل بها النبی صلی الله علیه وسلم قبل وقوعها علی صدقه فی مدعاه فاذا وقعت تنزلت منزلة القول الصریح من الله بانه صادق (مقدمہ ص ۹۳)

مگر معجزات کے بارے میں معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ معجزات میں بندوں کے فعل کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور تمام متکلمین کے نزدیک نبی کا کام معجزہ میں صرف باذن اللہ تحدی کرنا ہے کہ وہ ان کے وقوع سے پہلے اپنے مدعا کے صدق پر اس سے استدلال کرتے ہیں اور جب معجزہ واقع ہو جاتا ہے تو گویا خدا کی طرف سے صریح قول صادر ہو جاتا ہے کہ نبی صادق ہے اور معجزہ گویا بمنزلہ قول صریح کے ہوتا ہے

علامہ کی اس عبارت سے صاف طور پر یہ معاملہ حل ہو گیا ہے کہ معجزات ان افعال سے ہرگز نہیں ہیں جن پر انسانوں کو قدرت حاصل ہوتی ہے بلکہ معجزات محلِ قدرت سے بالکل خارج ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ متکلمین کے نزدیک معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کا فعل نہیں ہوتا نبی کا کام اس میں صرف باذن اللہ تحدی ہوتی ہے اور بس۔ اور یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کی عملی تصدیق ہوتی ہے، جو گویا اس قول خداوندی کے قائم مقام ہوتی ہے کہ واقعی یہ میرا رسول اور نبی ہے اور میں اس معجزہ کے فعل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ علامہ کی اس عبارت سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ معتزلہ کے نزدیک اگرچہ عباد اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور یہ ان کا ایک مشہور و معروف مسئلہ ہے جو کتب عقائد میں مشرح ہے مگر معجزات کے بارے میں ان کا نظریہ بھی صرف یہی ہے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ان کی ایجاد میں کچھ دخل نہیں ہے صرف یہ افعال ان کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں اور بس۔

امام شعرانیؒ شیخ محی الدین ابن عربیؒ المتوفی ۶۳۸ھ کی ایک عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وقد حد جمهور الاصوليين المعجزة بانها امر خارق للعادة مقرون بالتحدی مع عدم المعارضة من المرسل اليهم بان لا يظهر بينهم ذلك الخارق كما سيأتی بيانه فی المبحث بعده والمراد بالتحدی هو الدعویٰ للرسالة وفيما قلنا تنبيه علی انه ليس الشرط الاقتران بالتحدی بمعنی طلب الاتيان بالمثل الذی هو المعنی الحقيقی للتحدی وانما المراد انه يكفی دعواه الرسالة فكل من قيل له ان كنت رسولاً فأتنا بمعجزة فاظهر الله تعالیٰ علی يديه معجزاً كان ظهور ذلك دليلاً علی صدقه نازلاً بمنزلة التصريح بالتحدی اھ

(اليواقيت والجواهر جلد ۱ - ص ۱۵۷)

بہ تحقیق جمہور اہل اصول نے معجزہ کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک ایسا امر ہوتا ہے جو خارق عادت ہوتا ہے اور تحدی (چیلنج) سے مقرون ہوتا ہے اور جس قوم کی طرف رسول کو بھیجا جاتا ہے وہ ایسے خارق عادت امر کے ظاہر کرنے سے عاجز ہوتی ہے، اور ان کے ہاتھ سے یہ ایسا فعل صادر نہیں کیا جاتا جیسا کہ اگلی بحث میں بیان ہوگا۔ اور تحدی سے نبوّت اور رسالت کا دعوےٰ کرنا مراد ہے اور ہم نے جو کہا ہے تو اس میں اس امر پر تنبیہ موجود ہے کہ معجزہ کے تحدی کے ساتھ مقرون ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعی منکرین سے اس طرح کے خارق عادت فعل کا مطالبہ کیا جائے جیسا کہ تحدی کا حقیقی معنی ہے۔ بلکہ نبی کو صرف دعوےٰ رسالت ہی کافی ہے پس ہر وہ ہستی جس کو یہ کہا گیا کہ اگر واقعی تو رسول ہے تو ہمارے سامنے معجزہ پیش کر۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر معجزہ صادر کر دیا تو اس معجزہ کا ظاہر ہونا ہی اُن کے صادق ہونے کی دلیل ہے اور گویا یہ صریح تحدی اور چیلنج کے مترادف ہے۔

اِس عبارت سے حقیقتِ معجزہ پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اور علی الخصوص اِس عبارت سے یہ بات بھی آشکارا ہوتی ہے کہ تحدی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ زبان سے اللہ تعالیٰ

کا نبی اور رسول منکرین کو چیلنج کرے یا منکرین ہی زبان قال سے تحدی کریں تو تب ہی وہ معجزہ دکھائے بلکہ جب ایک مقدس اور برگزیدہ ہستی نبوت اور رسالت کا دعوےٰ کرتی ہے تو گویا ان کا یہ دعوےٰ تحدی اور چیلنج کے قائم مقام ہے اور زبان سے ان کو تحدی اور چیلنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے صدق کی اس معجزہ سے عملی تصدیق کرتا ہے کہ وہ زبان و دل میں، اور ظاہر و باطن میں ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے صادق ہیں کیونکہ

نمے باشد مخالف قول و فعلِ راستاں باہم
کہ رفتارِ قلم باشد کہ گفتار قلم پیدا

۱۰۔ حافظ کمال الدین ابن ہمام الحنفیؒ المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں کہ۔

انها لما كانت مما يعجز عنه الخلق لم تكن الّا فعلاً لله سبحانه (المسايرہ جلد ۲ ص ۸۹) (مع المسامرہ)

معجزہ جب ایسی چیز ہے کہ اُس کے صادر کرنے سے مخلوق عاجز ہے تو معجزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوگا۔

۱۱۔ اور کمال الدین محمدؐ ابن ابی شریف الشافعیؒ المتوفی ۹۰۵ھ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ان المعجزة ليست الّا فعلاً لله تعالیٰ (المسامرہ جلد ۲ ص ۸۹)

بلاشبہ معجزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔

۱۲۔ علامہ قاضی عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد الایجی الحنفیؒ المتوفی ۷۵۶ھ رئیس المتکلمین معجزہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معجزہ کی سات شرطیں ہیں۔

الاوّل ان يكون فعل الله او ما يقوم مقامه (المواقف ص ۶۶۵) (مع الشرح طبع نولکشور)

پہلی شرط یہ ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو یا جو اس کے قائم مقام ہو (جیسے ترک وغیرہ)

اور پھر آگے معجزہ کے حصُول کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بحث ثانی میں اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے یوُں رقمطراز ہیں کہ۔

عندنا انه فعل الفاعل

معجزہ ہمارے نزدیک فاعل مختار کا فعل ہے

المختار یظهرها علی ید من — جس کو وہ اس ہستی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے
یرید تصدیقه بمشیته لما تعلق — جس کی نبوت کی اپنی مشیت سے تصدیق کرنا
به مشیته من دعوی النبوة ص۲۶۶ اھ — چاہتا ہے۔

۱۳۔ علامہ جلال الدین الدوانی رح المتوفی ۹۰۷ھ معجزہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ولها سبعة شروط الاول ان یکون — معجزہ کی سات شرطیں ہیں شرط اول یہ ہے کہ
فعل الله او ما یقوم مقامه من — معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا فعل کے
التروک اھ (شرح عقائد عضدیہ ص۹۵) — قائم مقام جو ترک ہو۔

ان عبارات سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل (یا اس کے قائم مقام جو ترک وغیرہ ہو) ہوتا ہے جو فاعل مختار ہے۔ نبی کا فعل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے اس فعل کے ذریعہ سے نبی کی نبوت اور رسالت کی عملی اور گویا ایک گونہ قولی تصدیق کرتا ہے۔

مؤلفِ "نورِ ہدایت" کی جہالت یا خیانت دیکھیے کہ وہ مواقف اور شرح مواقف سے معجزہ کی چند شرطیں بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ۔

(۱) وہ امر الٰہی ہو یا اس کے قائم مقام الخ (نورِ ہدایت ص۲۸) اور پھر معجزہ کی اس پہلی اور بنیادی شرط کو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل یا اُس کے قائم مقام (ترک وغیرہ) ہو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ اور ہضم کر گئے ہیں، اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ معجزہ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اختیاری فعل کہنا جائز اور ان کے تحت قدرت کہنا صواب۔ بلفظہٖ (نورِ ہدایت ص۳۲) ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا ہے اور خیر سے عبارات میں قطع و برید کرنے کے علاوہ کسی ایک عبارت کا مطلب بھی صحیح نہیں سمجھے، کسی عبارت کی ابتدا نہیں دیکھی اور کسی کی انتہا سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور اصل عبارتوں کی طرف مراجعت کرنے کی سرے سے تکلیف ہی گوارا نہیں کی۔ شرح عقائد کی یہ عبارت کہ المعجزات جمع معجزة وهی امر یظهر بخلاف العادة الخ تو نقل

کر دی ہے۔ اور اس سے قبل کی طویل عبارت چھوڑ دی ہے۔ جو متن میں امام نجم الدین عمر بن محمد النسفی الحنفیؒ المتوفی ۵۳۷ھ نے لکھی ہے اور شرح میں علامہ تفتازانیؒ نے تحریر فرمائی ہے کہ

۱۴۔ قد ارسل الله تعالیٰ رسلا من — اور بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے
البشر الی البشر (الی ان قال) وَاَیَّدَهُمْ — انسانوں کی طرف رسول بھیجے (پھر آگے فرمایا کہ) اور
ای الانبیاء بالمعجزات الناقضات — ان انبیاء کرام کی اللہ تعالیٰ نے معجزات کے ساتھ
للعادات جمع معجزة وهی امر الخ — جو خارق عادت امور ہیں تائید کی ہے۔

(شرح عقائد ص۹۸)

مؤلف نورِ ہدایت وَاَیَّدَهُمْ الخ کا جملہ جو ان کے باطل مدعا کے بالکل خلاف تھا گیارہویں شریف کا لذیذ اور مجرب حلوا سمجھ کر کھا گئے ہیں یا اس کو بقول اعلیٰحضرت شامی کباب یا سیب کا پانی ہی تصور فرما لیا ہو گا آخر منطقیوں کا کہنا ہے کہ التصور یتعلق بکل شیٔ اور مؤلف مذکور کو بزعم خود منطقی ہونے کا دعوےٰ بھی ہے، یہ عبارت انہوں نے نورِ ہدایت کے ص۲۸ میں لکھی ہے اور صفحہ ۲۷ میں وہ اپنے مخالفین کو یوں پند و نصیحت کرتے ہوئے دل ماؤف کی گرم بھڑاس نکال رہے ہیں کہ۔ جو لوگ اس قدر کھلی تحریف کرنے سے نہیں شرماتے وہ تحریف معنوی کر لے سے کب رک سکتے ہیں۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

واقعی حزب مخالف نے تحریف میں یہود و نصاریٰ کو بھی مات کر دیا ہے اور اپنے خصوصی کرتب دکھائے ہیں ان سے دو قدم آگے نکل گئے، عوام الناس کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ؎

ستم کیشی کو تیرے کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا
اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

(بلفظہٖ نورِ ہدایت ص۲۷و۲۸)

اور آپ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بخوبی اس امر کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ معجزات

وکرامات کو انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیاری افعال کہہ کر اور پھر انکو مطلقاً مافوق الاسباب امور قرار دے کر اور اس طرز استدلال سے ان کو مافوق الاسباب اُمور میں متصرف اور مختار کل قرار دینا ایک ایسی شرمناک تحریف ہے کہ اس تحریف کے سامنے یہود و نصاریٰ بھی ان کا منہ تکتے رہ جائیں۔ اور فن تحریف اور خداع میں فریق مخالف کو اپنا سردار اور پیر تسلیم کرلیں ؎

غنچے کھلتے ہزاروں دیکھے ہیں — کھلتے دیکھی نہیں کلی دِل کی

۱۵۔ اور علامہ سعدالدین تفتازانیؒ المتوفی ۷۹۲ھ خبر رسول کے موجب علم ہونے کی بحث کرتے ہوئے اس کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ۔

واما کونه موجبا للعلم فللقطع بان من اظهر الله تعالیٰ المعجزة علیٰ یده تصدیقا له فی دعوی الرسالة کان صادقاً فیما آتی به الخ (شرح عقائد ص۹۴)

بہرحال خبر رسول کا موجب علم ہونا اس یقینی دلیل پر مبنی ہے کہ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ نے معجزہ صادر فرمایا ہو اور اس کے ذریعہ سے اس کے دعوائے نبوّت کی تصدیق کی ہو تو لامحالہ یہ ثابت ہوگا کہ وہ ہر اُس چیز کے دعوے میں سچا ہے جس کو وہ پیش کرتا ہے۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوگیا کہ معجزہ کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کا فعل ہے۔ نبی کے ہاتھ پر اس کی تصدیق کے لیے وہ صادر کرتا ہے نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا جیسا کہ نور ہدایت والے نے از روئے جہالت یا خیانت یہ بے بنیاد دعوےٰ کیا ہے۔ ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

۱۶۔ اور امام تورپشتیؒ المتوفی ــــ ھ لکھتے ہیں کہ۔

معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و آں جز خدا تعالیٰ نتواند کرد۔ (معتمد فی المعتقد باب دوم فصل اوّل)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو معجزات ہیں ان کو اللہ تعالےٰ کے بغیر اور کوئی صادر نہیں کرسکتا۔

۱۷۔ مولانا سید اولاد حسن صاحب قنوجیؒ المتوفی ۱۲۵۳ھ (شاگرد رشید حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ و خلیفہ مجاز حضرت سید احمد شہید بریلویؒ المتوفی ۱۲۴۶ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

اصدار معجزہ و قبول ایمان بخواہش و اختیار رسول نمی باشد تا او تعالیٰ نخواہد و ارادہ نفرماید وقوع نیابد۔ (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص۲۷)

معجزہ کا صادر کرنا اور ایمان کا قبول کرنا نبی کی خواہش اور اختیار سے نہیں ہوتا تاوقتیکہ اللہ تعالےٰ نہ چاہے اور ارادہ نہ فرمائے وہ واقع نہیں ہوتا۔

۱۸۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ (جن کی ایک غیر متعلق عبارت سے مؤلف نُور ہدایت کے اپنا باطل مدعا کشید کیا ہے دیکھیے نور ہدایت ص۲۹،۳۰) تحریر فرماتے ہیں کہ۔

معجزہ فعل نبی نیست بلکہ فعل خدائے تعالےٰ است کہ بر دست وے اظہار نمودہ بخلاف افعال دیگر کہ کسب ایں از بندہ است و خلق از خدا تعالیٰ و در معجزہ کسب نیز از بندہ نیست (مدارج النبوّۃ جلد ۲ ص۱۱۶ مطبوعہ ناصری دہلی)

معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو نبی کے ہاتھ پر وہ ظاہر کرتا ہے بخلاف دیگر افعال کے کہ ان میں کسب بندہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر معجزہ میں کسب بھی بندہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔

صاحب نور ہدایت کو حضرت شیخ صاحبؒ کی یہ عبارت بار بار پڑھنی چاہیے کہ حضرتؒ کیا کہہ گئے ہیں؟ آپ تو ماشاء اللہ معجزات کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیاری افعال کہہ کر اور ان کو مافوق الاسباب طور پر متصرف مان کر نعوذ باللہ خدائی اختیارات سپرد کر رہے ہیں اور متکلمین کے نزدیک جن پر حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ نبی کے معجزہ میں عام دیگر افعال کی طرح کسب اور اختیار بھی تسلیم نہیں کرتے کیا ہم آپ کی مانیں یا ان اکابرین امت کی؟ جواب ہوش میں آکر دینا! اور نیز یہ بھی بتلائیں کہ آپ اپنے لیے کس طریق کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنے خود تراشیدہ اور خانہ زاد طریقہ کو یا ان اکابر کے طریقہ کو؟ ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن — مصلحت بین وکار آساں کن

نیز حضرت شیخ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

چہ معجزہ وکرامت فعلِ خدا است	کیونکہ معجزہ اور کرامت خدا تعالےٰ کا فعل ہے جو
کہ ظاہر مے گردد بر دستِ بندہ بجہت	بندہ کے ہاتھ پر اُس کی تصدیق وتکریم کی غرض
تصدیق وتکریم وے نہ فعل بندہ است	سے صادر ہوتا ہے معجزہ اور کرامت بندہ کا فعل
کہ صادر مے گردد بقصد واختیار او مثل	نہیں ہے جو اس کے قصد واختیار سے صادر ہو
سائر افعال۔ (ترجمہ فتوح الغیب ص۲۷)	جیسے کہ اس کے دوسرے افعالِ اختیاریہ ہیں جو اس
(از حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ)	کے قصد واختیار سے صادر ہوتے ہیں۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول پر بالکل واضح دلیل ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ کسی میں انصاف ودیانت کے ساتھ سمجھ بھی موجود ہو مگر اس کو کیا کیجیے گا کہ ؎

گہر جو دِل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

کیا مؤلف نُورِ ہدایت کے نزدیک یہ تمام اکابر جو معجزات کو انبیاء کرامؑ کے قصد واختیار سے بالاتر کہتے ہیں سب فرقہ جبریہ مخذولہ میں شامل ہیں۔ جیساکہ نُورِ ہدایت صفحہ ۶۰ میں معجزات کے غیر اختیاری افعال کہنے والوں کے حق میں یہ لفظ انہوں نے استعمال کیے ہیں۔ کیا رائے مبارک ہے کچھ تو لب کشائی فرمائیں۔ مَالَکُم لَا تَنطِقُون۔

اِن تمام پیش کردہ عبارات سے یہ مسئلہ بالکل مبرہن اور آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے —— —— تاکہ ان کی نبوّت کی عملی تصدیق کی جائے اور معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا اور نہ ان کے قصد واختیار کا اس میں کچھ دخل ہوتا ہے یہاں تک کہ عام افعال اختیاریہ میں جتنا کسب واختیار بندوں کو حاصل ہوتا ہے معجزات میں وہ بھی بالکل مفقود ہوتا ہے اور تمام علماء کلام اور متکلمین کے نزدیک حتیٰ کہ معتزلہ کے نزدیک بھی معجزات اُن افعال میں

ہرگز داخل نہیں ہیں جن میں بندوں کی قدرت کا کچھ دخل ہو، اور وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ معجزات داخل تحت قدرۃ العباد کی قسم سے ہرگز نہیں ہوتے۔

مؤلفِ نورِ ہدایت تفسیر بلغۃ الحیران کی ایک عبارت سے (جس میں کتابت کی غلطی ہے) غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے حزبِ مخالف کو معتزلہ ہونے کا طعن دیتے ہیں، مگر خود خیر سے معتزلہ سے بھی آگے نکل گئے ہیں، سچ ہے کہ ع

میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اِن عبارات کے پیشِ نظر نورِ ہدایت والے کا یہ مردود قول اور باطل نظریہ کہ معجزہ کو نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا اختیاری فعل کہنا جائز اور ان کے تحت قدرت کہنا صواب (بلفظہٖ نورِ ہدایت ص۳۳) بالکل کافور ہوگیا اور ایسے زبردست براہین اور دلائل کے سامنے ایک نرا جاہلانہ اور سراسر غیر اسلامی نظریہ بھلا ٹھہر تا بھی کیوں کر) اور دلائل کے صیاد کے مقابلہ میں مصنوعی محبّت کی عندلیب کا کہاں نشان و پتہ مِل سکتا ہے؟ ؎

جا کے گلشن میں یہ کیا صیاد تونے کر دیا — ڈھونڈھنے پر بھی نہیں ملتا نشانِ عندلیب

معجزات اور خوارق کے بارے میں دیگر اکابرین اور علماء دیو بند کا نظریہ

۱۔ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ المتوفی ۱۲۴۶ھ اپنی شہرہ آفاق کتاب منصبِ امامت میں خوارقِ عادات پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔ کہ

بیانش آنکہ حق جلّ وعلیٰ بقدرتِ خود در	اِس کا بیان بایں طور ہے کہ حق تعالےٰ اپنے مقبول
عالمِ تکوین تصرفے عجیب وغریب بنابرِ تصدیق	بندوں میں سے کسی کی تصدیق کے لیے اپنی قدرت
مقبولے از مقبولانِ خود مے فرماید نہ آنکہ	کاملہ سے عالم تکوین میں کوئی عجیب وغریب تصرف
قدرتِ صدورِ خرقِ عادت در او ایجاد مے	فرماتا ہے نہ یہ کہ خرقِ عادت کے صادر کرنے کی قدرت
فرماید واورا باظہار آں مامور مے نماید حاشا	اس مقبول بندہ میں ایجاد کرتا ہے، اور اس کو اس
وکلاّ قدرت در عالمِ تکوین از خواص قدرتِ	کے اظہار پر مامور کرتا ہے حاشا وکلاّ معاملہ یوں نہیں
ربّانی است نہ از آثار قوتِ انسانی	ہے کیونکہ عالم تکوین کے اندر قدرت یہ تو محض قدرت

(منصبِ امامت صفحہ ۳۱)   ربانی کے خواص سے ہے نہ کہ قوتِ انسانی کے آثار سے۔

اِس ٹھوس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے خوارقِ عادات کے غیر کسبی اور غیر اختیاری ہونے کی جو تصریح کی ہے وہ مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ میں معجزات وکرامات اور خوارقِ عادات کے بارے میں کئی ایک محققین علماء امتؒ سے متعدد نقول پیش کر کے اس مسئلہ پہ سیر حاصل بحث کی ہے اور ہم نے اس کتاب میں ان کے بعض اقتباسات سے بھی استفادہ کیا ہے اور اسی میں حضرت مولانا حسین شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بُت شکن المتوفی ــــھ کی کتاب "ردّ البوارق" سے جو فارسی زبان میں ہے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے ہم اس کے ایک حصہ کا لفظی ترجمہ ہدیۂ قارئین کرام کرتے ہیں جو یقیناً بہت ہی مفید ہوگا۔ چنانچہ وہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔ کسی چیز کی قدرت اور اختیار عطا کرنا اور اس کی قوتِ اقتدار سپرد کرنا اور مفہوم کا حامل ہے اور اپنے فعلِ خاص کو کسی چیز میں ظاہر کرنا اس کا مطلب اور ہے۔ مثلاً کہنے والا یہ تو کہہ سکتا ہے کہ زید نے قلم سے لکھا اور اپنے فعل خاص کو جو کتابت ہے قلم میں ظاہر کیا مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ زید نے حرکت کی قدرت اور اختیار اور کتابت پر قدرت کا اقتدار قلم کو سپرد کر دیا ہے کیونکہ جب تک قلم مثل زید کے انسان نہ ہو جائے حرکت کی قدرت اور اختیار اور کتابت کی قوت اور اقتدار اس کو حاصل نہیں ہو سکتا اور خاصۂ انسان قلم کے ہاتھ میں نہیں جا سکتا پس اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ زید نے قلم کو لکھنے کی قدرت اور اختیار دیا ہے اور اپنا خاصہ اس کے حوالے کر دیا ہے۔ تو اس کے کلام کا حاصل یہ نکلے گا کہ زید نے قلم کو انسان بنا دیا ہے بخلاف اس کے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زید نے قلم سے لکھا تو اس کا مفاد یہ نکلے گا کہ لکھنے کا فعل زید کا خاصہ ہے اور قلم کو اس فعل میں کسی قسم کی کوئی قدرت اور اختیار حاصل نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قوت اور اقتدار ہے (اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے)۔ ع

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی اور دل میں اتر گئی تو غور سے ہمارا اصل مطلب ملاحظہ کرنا۔ ع (شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات) کہ افعال میں قدرت اور اختیار تو جناب باری تعالےٰ وحدہٗ لاشریک لہ کے خواص میں سے ہے اور قوتِ اقتدار آثار خاصۂ صمدیت سے ہے کسی شخص یا کسی چیز کو یہ قدرت عطا کرنا یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ اِس کو ممکن کے مرتبہ سے اُٹھا کر واجب کے درجہ پر لے جایا گیا ہے کیونکہ اس قدرت کا مبداء اور ان افعال پہ اختیار رکھنا اور قوت واقتدار کی دار ومدار صرف واجب الوجود کے آثار سے ہے (نہ کہ ممکن کے آثار سے) الخ (رسالہ ردّ البوارق، بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صـ ۲۲۰) خوارق عادات کے مخلوق کے کسب واختیار سے بالاتر ہونے پہ نیز اہلِ بدعت کے خانہ ساز ذاتی اور عطائی کے دُوراز کار نظریہ پہ یہ عبارت کافی روشنی ڈالتی ہے۔

اور حضرت شیخ الاسلام الحاج مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ المتوفی ۱۳۶۹ھ اپنی مشہور مختصر مگر جامع تالیف "خوارق عادات" میں (جس پہ حضرت مولانا الشیخ السیّد محمد انور شاہ صاحب الکشمیری ثم دیوبندیؒ المتوفی ۱۳۵۲ھ کی بہترین تقریظ بھی موجود ہے) ارقام فرماتے ہیں۔ یاد رکھو جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پہ عام عادت کو چھوڑ کر خوارق ومعجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے (خوارق عادات صـ ۳۱ بلفظہٖ)

نیز لکھتے ہیں کہ۔ یاد رکھئے کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے اُس کو نبی کا فعل سمجھنا سخت غلطی ہے (بلفظہٖ صفحہ ۳۲)

نیز ارقام فرماتے ہیں کہ۔ بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کہ انبیاء جس وقت چاہیں انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے

ہیں (بلفظہ صفحہ ٣٣)

اور اسی کی بحث کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ معجزہ خدا کی طرف سے نبوت کی فعلی تصدیق ہے یہیں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ معجزہ فی الحقیقت حق تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی عملی تصدیق ہے (بلفظہ صفحہ ٣٧)

یہ واضح تر عبارات جو دیگر علماء نے بھی اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم نے اپنی دینی بصیرت کے تحت پوری ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ارقام اور نقل کی ہیں ہو بہو سلف صالحین کی عبارتوں کی زندۂ جاوید تصویریں ہیں، اور ایک حرف بھی ان سے مخالف نہیں ہے اور کیوں مخالف ہو جب کہ ان اکابر کی ساری زندگی ہی قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی اتباع میں گذر چکی ہے اور گذرتی ہے ؎

شراب خوشگوارم ہست و یار مہرباں ساقی ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم

علماء بریلی اور حقیقتِ معجزہ

مولوی احمد رضا خاں صاحب المتوفی ١٣٤٠ھ کے ملفوظات میں ہے عرض معجزہ میں قلب ماہیت ہوتا ہے یا نہیں ارشاد اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ قلبِ ماہیت محال ہے یا ممکن جو کہتے ہیں کہ محال ہے ان کے نزدیک پہلی حقیقت فنا ہو جاتی ہے اور دوسری حقیقت ربّ العزّت پیدا فرما دیتا ہے تو معجزہ میں تبدیل حقیقت نہ ہوئی بلکہ تجدید ماہیت اور جو ممکن مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ معجزہ میں قلب حقیقت ہوتا ہے لیکن اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ معجزہ واقعی ہوتا ہے (بلفظہ ملفوظات حصّہ چہارم)

خان صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اور دوسری حقیقت ربّ العزت پیدا فرما دیتا ہے ارشاد فرما کر اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ معجزہ میں ایک ماہیت کو فنا کر کے اس کی جگہ دوسری حقیقت کو پیدا اور ظاہر کر دینا یہ صرف ربّ العزت کا کام اور اس کا فعل ہے۔

مشہور بریلوی عالم جناب مولوی ابوالحسنات صاحب معجزہ کی حقیقت بتانے کے

لیے سوال کر کے اس کا جواب یوں تحریر کرتے ہیں کہ۔

جواب نبی اپنے صدق کا علانیہ دعوے فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر فرمانے کا ذمہ لیتا اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دعوے کے مطابق امر محال عادی کو ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین عاجز رہ جاتے ہیں اسی کا نام معجزہ ہے۔ (بلفظہ العقائد صفحہ ٢٦)

اِس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ نبی کی تصدیق کے طور پر صادر اور ظاہر فرماتا ہے۔ کاش کہ مؤلف نور ہدایت اپنے ہی اکابر کی تحقیقات کو دیکھ لیتے اور ایسی کھلی ضلالت اور فاحش غلطی کا جو سراسر غیر اسلامی ہے ہرگز وہ ارتکاب نہ کرتے مگر کیا کیا جائے ہدایت و ضلالت تو خدا کے قبضہ میں ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معجزہ کو نبی کا فعل کس نے کہا؟

یہ بات کسی طرح بھی قرین انصاف نہ ہوگی کہ ہم معجزات کے بارے میں تصویر کا صرف ایک رُخ تو ذکر کر دیں کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے افعال ہوتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور تصویر کا دوسرا رُخ سرے سے ذکر ہی نہ کریں کہ معجزہ کو نبی کا فعل کس گروہ نے کہا ہے؟ اور اہلِ اسلام میں اس گروہ کا کیا پایہ ہے؟ اس لیے اس پہلو کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ متکلمین نے معجزہ کے بارے میں جو کچھ کہا وہ آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں، اب ذرا فلاسفہ اور حکماء سفہاء کا نظریہ بھی دیکھ لیجئے۔ مورخ اسلام علامہ عبدالرحمٰن بن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واما الحکماء فالخارق عندهم	اور بہر حال خارق (عادت چیز) تو حکماء اور فلاسفہ
من فعل النبی ولو کان فی غیر	کے نزدیک وہ نبی کا فعل ہوتا ہے اگرچہ وہ محل قدرت
محل القدرة بناءً علی مذهبهم فی	میں بھی نہ ہو اور یہ بات ان کے ایجاب ذاتی کے
الایجاب الذاتی و وقوع الحوادث	مذہب پر مبنی ہے اور نیز اس پر مبنی ہے کہ حوادث

بعضها عن بعض متوقف على الاسباب والشروط الحادثة مستندة اخيرًا الى الواجب الفاعل بالذات لا بالاختيار وان النفس النبوية عندهم لها خواص ذاتية منها صدور هذه الخوارق بقدرته وطاعة العناصر له فی التکوین والنبی عندهم مجبول علی التصریف فی الاکوان مهما توجه الیها واستجمع لها بما جعل الله له من ذالك والخارق عندهم یقع للنبی سواء کان للتحدی ام لم یکن وهو شاهد بصدقه من حیث دلالته علی تصرف النبی فی الاکوان الذی هو من خواص النفس النبوّیة لا بانه یتنزّل منزلة القول الصریح بالتصدیق فلذلک لا تکون دلالتها عندهم قطعیة کما هی عند المتکلمین اھ

(مقدمہ صفحہ ۹۴)

میں بعض کا بعض سے وقوع ان کے اسباب اور شروط حادثہ پر موقوف ہے جو بالآخر واجب اور فاعل بالذات کی طرف مستند ہیں (قطعًا للتسلسل) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ان حوادثات کا وقوع اور صدور اللہ تعالیٰ کے اختیار سے نہیں ہے (کیونکہ ذاتِ خداوندی کو وہ علت موجبہ قرار دیتے ہیں اور تخلف معلول عن العلۃ جائز نہیں ہے) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نفس نبویہ میں کئی ذاتی خواص ہیں مثلاً یہ کہ ان خوارق کا صدور نبی کی قدرت سے ہوتا ہے اور عناصر تکوین میں نبی کی اطاعت کرتے ہیں اور حکماء کے نزدیک نبی اکوان میں تصرف کرتے ہیں جب کہ وہ ان کی طرف توجہ کریں اور ان کا ارادہ فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تصرف کرنے کا اختیار عطا کیا ہے اور خارق عادت چیز ان کے نزدیک نبی سے واقع ہوتی ہے عام اس سے کہ اس میں تحدی ہو یا نہ ہو اور وہ ان کے صدق کی اس لیے دلیل ہوتی ہے کہ نبی اپنے نفس کے خواص کی تاثیر سے اکوان میں تصرف کرتے ہیں اس میں یہ نہیں ہوتا کہ اس خارقِ عادت کو (اللہ تعالیٰ کے) قول صریح کے قائم مقام قرار دیا جائے یہی وجہ ہے کہ خارقِ عادت کی دلالت نبی کی نبوت پر حکماء کے قول پر قطعی نہیں بخلاف متکلمین کے کہ ان کے نزدیک یہ دلالت قطعی ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ خارق عادت امور کو نبی کا فعل کس گروہ نے کہا ہے اور یہ کہ

نبی کے لیے اکوان میں بعطاء خداوندی (بما جعل اللہ لہ من ذٰلك) تصرف کس نے ثابت کیا ہے؟ خیر سے یہ وہی حکماء کا گروہ ہے جو ایجاب ذاتی کا قائل ہے اور تمام حوادثات کو بواسطہ عقول بالآخر واجب الوجود کی طرف منسوب کرتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ فاعلِ بالذات ہے فاعلِ بالاختیار نہیں ہے اور قرآن کریم اور صحیح احادیث اور اجماعِ امّت اور جملہ متکلمین اللہ تعالیٰ کو فاعلِ بالاختیار تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ہے اور اسی علت و معلول کے گورکھ دھندے میں مبتلا ہو کر انہوں نے عالم کو قدیم تسلیم کیا ہے اور اس قدم کے جعلی ہیر ہیُولے پر بنیاد رکھتے ہوئے حشر اجساد اور خرق والتیام اور دیگر کئی ایک اسلام کے اہم اور بنیادی باتوں کا انکار کیا ہے کُتُب کلامیہ حکماء اور ان ہی جیسے باطل پرستوں کے غلط نظریات کی تردید سے بھری پڑی ہیں یہ مقام ان ابحاث کی تنقیح کا نہیں ہے اور نہ عوام الناس کا ان کو سمجھنا آسان ہے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ وحی الٰہی کو دامن سے چھوڑ کر اور صحیح احادیث اور متکلمین کا ساتھ چھوڑ کر "مؤلف نُورِ ہدایت" کس گروہ میں جا ملا ہے اور کس کی معیت اُس کو نصیب ہوئی ہے ؎

یہ مدعی اسلام تو ہیں دشمن ہیں مگر بیگانوں کے
اخلاص کی وہ بُو ہی اُن میں نہیں وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

بہت ممکن ہے کہ کسی کوتاہ فہم کو یہ شبہ لاحق ہو کہ کہیں یہ حکمائے اسلام ہی نہ ہوں جنہوں نے خارقِ عادت امر کو نبی کا فعل کہا ہے۔ لہٰذا یہ بھی آخر اہل اسلام ہی کا قول ہوگا اور اس کے قائل پر بھی کوئی ملامت نہیں ہونی چاہیئے اور دلیل یہ پیش کرے کہ اس میں نبوت کے اقرار کا ذکر ہے اور نبوت کو تسلیم کرنا حکماء اسلام ہی کا کام ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر جن حکماء کا ذکر کیا گیا ہے وہ وہ حکماء ہیں جو متکلمین کے بالمقابل ہیں جیسا کہ عبارت میں اس کی تصریح گذر چکی ہے اور متکلمین کے مدِ مقابل جو حکماء ہوں گے وہ ہرگز حکماء اسلام نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں حکماء اسلام

میں اللہ تعالیٰ کو فاعل بالذات کہنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ وہ تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کو فاعل بالاختیار تسلیم کرتے ہیں۔ نہ کہ موجب بالذات، لہٰذا یہ حکمائے اسلام کیسے اور کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ رہا نبوت کا مسئلہ تو جس معنیٰ میں نبوّت اور رسالت کو علماء متکلمین اور اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں فلاسفہ مرانده اور حکماء سفہاء اس معنی میں نبوت کے قائل نہیں ہیں ہاں مگر نفس نبوّت اور اصل نبوت کو جس کے لیے ان کے نزدیک چند خواص ہیں وہ بھی تسلیم کرتے ہیں (ملاحظہ ہو قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعیؒ المتوفی ۶۸۵ھ کی مطالع الانظار شرح طوالع الانوار صفحہ ۴۰۶ طبع استنبول اور مواقف و شرح مواقف طبع نول کشور صفحہ ۶۶۳ و تہافت الفلاسفہ للغزالیؒ صفحہ ۱۶ طبع مصر۔ اور تہافت الفلاسفہ لخوجہ زادہؒ اوحد علماء الروم فی عصرہ المتوفی ۸۹۳ھ برحاشیہ تہافت الفلاسفہ لابن رشدؒ صفحہ ۶۵۔ اِن سب کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ فلاسفہ نبوّت کے قائل ہیں) یہ الگ بات ہے کہ اس طریق پر وہ قائل ہیں جو ان کے مزعوم میں نبوت ہے۔ ع

رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

اسے ایسا سمجھیے جیسا کہ کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ میں نے بادشاہ سلامت کو دیکھا ہے اس کی چار ٹانگیں دو بڑے بڑے دانت اور چوڑی چکلی پیٹھ اور بڑے بڑے کان ہیں۔ ہر سمجھدار آدمی اس سے یہی اندازہ لگائے گا کہ اس شخص نے ہاتھی یا ایسی ہی کوئی اور بلا دیکھی ہے۔ دعوے تو گو اس کا بادشاہ کو دیکھنے کا ہے مگر علامت ایک بھی اس کی نہیں ہے یہی حال ہے فلاسفہ وغیرہ باطل فرقوں کا جو توحید و نبوّت اور معاد وغیرہ عقائد کا دعوے تو کرتے ہیں مگر جب ان کی علامات اور نشانیاں اور تعریف و حدود اربعہ وغیرہ بیان کرتے ہیں تو اس سے یہی اندازہ لگتا ہے کہ وہ اس مفہوم کے جو ان اشیاء کا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے نزدیک ہے ہرگز قائل نہیں ہیں اور گویا وہ بعثت انبیاء کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی بعثت کے منکر ہیں اور یہی وتیرہ اہل بدعت حضرات کا ہے کہ حجت کا

دعوے تو ہے مگر آپ کے ارشادات اور سنت کی پیروی نہیں پھر کیا فائدہ؟ ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

علامہ قاضی عضدؒ اور محقق سید سندؒ مواقف اور شرح مواقف میں معجزہ کی تعریف اور اس کی شرطیں اور دیگر ضروری ابحاث کے بعد منکرین کے جوابات دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ۔

وغرضنا ههنا رد شبه المنكرين للبعثة وهم طوائف اھ (شرح مواقف ص۶۷۱)

ہماری غرض اس مقام پر منکرین بعثت کے شبہات کا رد کرنا ہے اور وہ کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پھر ان گروہوں اور طائفوں کا ذکر کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ۔

الطائفة الخامسة من قال ظهور المعجزة لا يدل على الصدق في دعوى النبوة لاحتمالات الاول كونه من فعله لا من فعل الله الخ (صفحہ ۶۷۳ طبع نول کشور)

پانچواں گروہ یہ کہتا ہے کہ معجزہ کا ظہور اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ نبی اپنے دعوائے نبوّت میں سچا ہے۔ کیونکہ اس میں کئی احتمالات ہیں، اوّل یہ ہے کہ معجزہ تو نبی کا فعل ہے خدا کا فعل نہیں (پھر اس سے تصدیق کیسی ہوگی؟)

اس باطل شبہ کا جواب یوں انہوں نے زیب قلم فرمایا ہے کہ۔

انا بينا ان لا مؤثر في الوجود الا الله فالمعجزة لا يكون الا فعلا له للمدعي اھ (صفحہ ۶۷۵)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ (اشیاء کے) وجود میں اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی مؤثر نہیں ہے لہٰذا معجزہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوگا مدعی نبوت کا فعل ہرگز نہ ہوگا (لہٰذا معجزہ نبی کے صدق کی روشن اور واضح دلیل ہے اور اس کا انکار کرنا بالکل عقل و خرد کا انکار کرنا ہے)۔

اس بحث کو پیش نظر رکھنے سے بالکل عیاں طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے۔

کہ معجزہ کو نبی کا فعل کہنا ان باطل پرستوں کا مزعوم خیال ہے جو بعثت کے منکر ہیں، ان کا بھلا اہلِ اسلام سے کیا تعلق، اور معجزہ کو اللہ تعالیٰ کا فعل کہنے اور بتانے والے متکلمین ہیں جو اہل السنت والجماعت کی وکالت کرتے ہیں تعجب اور حیرت ہے مؤلف نورِ ہدایت پر کہ ان کو یہ باطل عقیدہ اور نظریہ کہاں سے سوجھا، اور کیوں سوجھا، اور کب سوجھا۔ اور کیسے سوجھا اہلِ اسلام میں تو اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ معجزہ نبی کا فعل ہوتا ہے۔ رہا نبی کے ہاتھ پر صدور اور اظہار تو ایک متفق علیہ امر ہے یہ بحث محلِ نزاع نہیں ہے۔

مؤلفِ نورِ ہدایت کو کھلا چیلنج

ہم مؤلفِ نورِ ہدایت بلکہ ان کے جملہ اساتذہ اور پوری جماعت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کم از کم ایک ہی حوالہ کسی معتبر اور مستند عالم کا جو اہلِ سنت والجماعت میں سے ہو ایسا بتائیں جس میں اس کی بالکل صراحت ہو کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل ہوتا ہے اور اس کے کسب اور اختیار کا اس میں دخل ہوتا ہے۔ ہم اس جواب کے اشد منتظر رہیں گے فھل من مبارز بیارزنی۔ دیدہ باید۔ اور یا اہلِ حق کا ساتھ دے کر صدائے خدا اور رضائے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنائیں ؎

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

معجزات کی مزید بحث کے لیے شرح عقیدہ السفارینی کتاب الذریعہ للراغب اصفہانی رح شرح مقاصد شرح عقیدۃ الطحاوی رح کتاب النبوات للحافظ ابن تیمیہ رح اور طبقات لابن سبکی رح مضمون خرق عادت ملاحظہ فرمائے۔

مواقف اور شرح مواقف کی عبارت کا حل

مواقف اور شرح مواقف میں معجزہ کی دوسری شرط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ہم اس کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں (اور خط کشیدہ الفاظ متن کے ہیں) دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ صرف

وہی ہوگا جو خارق عادت ہو کیونکہ بغیر خرق عادت کے اعجاز متحقق نہیں ہو سکتا کیونکہ آئندہ بیان ہوگا کہ فعل معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قولی تصدیق کے قائم مقام ہے اور جو چیز خارق عادت نہ ہو بلکہ معتاد ہو جیسے ہر دن سورج کا طلوع کرنا اور موسم ربیع میں پھولوں کا ظاہر ہونا تو یہ نبی کے صدق پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ان معتاد امور میں دوسرے لوگ بھی حتیٰ کہ جھوٹا نبی بھی سچے نبی کے ساتھ دعوے کرنے میں برابر ہے وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ میرا معجزہ ہے اور ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ ایسے امر میں نہ ہو جو (عادۃً) نبی کی قدرت کے تحت ہے کیونکہ اگر اس کی قدرت کے نیچے داخل ہو مثلاً ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم مقام تصدیق کے نہ ہوگا مگر یہ شرط کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ نبی کا قادر ہونا درآنحالیکہ دوسرے لوگ اس پر عادۃً قادر نہیں ہو سکتے یہ بھی معجزہ ہے علامہ آمدی رح کہتے ہیں کہ کیا اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ معجزہ نبی کے مقدورات میں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ آئمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ معجزہ مثالِ مذکور میں ہوا میں صعود کرنے کی حرکت اور پانی پر چلنے کی قدرت نہیں ہے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے نبی کی قدرت میں داخل ہے بلکہ درحقیقت معجزہ اس مقام پر اس حرکت پر نفس قدرت کا نام ہے اور وہ قدرت نبی کی طاقت سے باہر ہے اور دوسرے ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ محض یہ حرکت ہی معجزہ ہے بدیں وجہ کہ یہ خارق للعادۃ ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اگرچہ مقدورِ نبی بھی ہے اور یہی صحیح تر قول ہے۔ انتہیٰ (شرح مواقف طبع نول کشور ص۶۶۶)۔

اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ معجزہ نبی کا فعل اور اس کے کسب و اختیار کا کوئی کرشمہ ہوتا ہے جیسا کہ مؤلف نور ہدایت نے اپنی جہالت سے یہ سمجھا ہے۔ کیونکہ یہ مطلب لینا خود ان ائمہ اور دیگر ائمہ اہل السنت والجماعت کی تصریحات کے صریح خلاف ہے، اس عبارت میں تو منطقی طور پر بات ہی اور کہی گئی ہے جس کو مؤلف نور ہدایت بالکل نہیں سمجھا اور بلاوجہ یوں نعرہ زنی کی بے جا سعی کی ہے

کہ " اللہ اکبر آئمہ اہل السنت کی اتنی صاف اور شفاف عبارت موجود ہوتے ہوئے معجزہ کے مقدور و اختیاری ہونے سے کیسے انکار ہوسکتا ہے۔ علامہ جرجانیؒ کی منقولہ عبارت نے تو جھگڑا ہی ختم کر دیا اور جو ہماری کوتاہ بینی کی وجہ سے اسلاف کی عبارات میں اختلاف و تضاد کا شبہ ہوسکتا تھا اُسے رفع کر دیا" اھ بلفظہٖ صفحہ ۳۴)

اور پھر لکھتے ہیں کہ " بلا اسباب ظاہری بطورِ خرقِ عادت اِلیٰ اَنْ قَالَ اِس قسم کے افعال کو انبیاء علیہم السلام کا اختیاری فعل مانتے ہیں الخ صـ ۳۴ اور پھر لکھتے ہیں کہ عبارت مذکور سے معلوم ہوا کہ آئمہ کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خوارقِ عادت مافوق الاسباب افعال کے اظہار پہ قادر ہیں الحمد للہ علیٰ ذٰلِکَ (بلفظہٖ صفحہ ۳۵)

مگر مؤلفِ نورِ ہدایت کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ جھگڑا بالکل ختم نہیں ہوا اور اسلاف کی عبارات میں بقول مؤلف مذکور جو اختلاف و تضاد کا شبہ تھا وہ تاہنوز باقی ہے اور وہ اس طریقہ سے حل اور رفع نہیں ہوا جس طرح مؤلفِ مذکور نے کیا، یا سمجھا ہے۔ ہاں البتہ مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی اور کوتاہ بینی بدستور باقی ہے کیونکہ شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر آخر یہی مایہ ہاتھ آتا ہے اور وہ بھلا جائے تو کہاں؟ اور پیچھا چھوڑے تو کس طرح، وہ تو پکار پکار کر اپنی نازنین لیلےٰ سے کہتا ہے ؎

میں وہ مجنوں ہوں نہ چھوڑوں گا در لیلیٰ کو
قیس کی طرح نہ جاؤں گا بیاباں کی طرف

آئمہ دین اس عبارت میں جو چیز بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ ایسی چیز میں ہو جس پر نبی اللہ کو قدرت نہیں ہوتی کیوں کہ اگر ان کے مقدور میں معجزہ ظاہر ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عملی تصدیق نہ ہوگی جو قولی تصدیق کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس میں یہ احتمال اور شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ تو خود نبی کا مقدور ہے تو پھر یہ فعلِ معجزہ کیسے ہوا؟ مثلاً اگر ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا نبی کا مقدور ہو۔ اور اس میں معجزہ پایا جائے تو یہ معجزہ نہیں ہوگا، اور نہ اس کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عملی اور فعلی تصدیق کہا جاسکتا ہے جو بالآخر و بالمآل قولی تصدیق کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ تو مقدور نبی میں صادر ہوا ہے تو بعض آئمہ نے اس شرط کو رد کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ معجزہ مثال مذکور میں ہوا پر اڑنے اور صعود کی حرکت نہیں جو بخلق اللہ مقدور نبی ہے بلکہ معجزہ اس مثال میں نفسِ قدرت ہے اور وہ مقدور نبی نہیں ہے، اور معجزہ بھی صرف وہی ہوتا ہے جو مقدور نبی نہ ہو، اور دوسرا گروہ آئمہ کرامؒ کا یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ۔

ان النفس هٰذه الحركة معجزة من جهة كونها خارقة للعادة ومخلوقة لله تعالىٰ وان كانت مقدورة لنبي الله تعالىٰ وهو الاصح (صفحہ ۶۶۶)

یہ نفس حرکت ہی معجزہ ہے اِس لیے کہ وہ خارق عادت فعل ہے اور اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ ہے اگرچہ وہ (عادتاً) نبی اللہ کی مقدور بھی ہے (مگر معجزہ کی صورت میں نبی کے قصد و اختیار کا دخل نہ ہوگا) اور یہی بات صحیح ہے۔

اور ماتن یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کا کسی چیز پہ قادر ہونا اور دوسروں کا عادۃً قادر نہ ہونا یہی معجزہ ہے کیونکہ المعجزۃ کے اندر خرق عادت کی شرط ہے اور وہ اس صورت میں پوری ہو جاتی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ خرقِ عادت اور معجزہ کس کا فعل ہے؟ اور اس میں کس کا کسب و اختیار نافذ ہے تو اس کو وہ پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ معجزہ کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے اور بس۔ اس عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ معجزہ نبی کا مقدور ہوتا ہے اور انکے کسب و اختیار کا اس میں دخل ہوتا ہے ایک عجیب اور انوکھی جہالت ہے اور علماء کرام کی بات کو نہ سمجھتے ہوئے جہل مرکب کا شکار ہونا ہے معجزہ کا مقدور نبی ہونا اور چیز ہے اور مقدور نبی میں معجزہ کا تحقق اور چیز ہے و بینہما بون بعید وہ تحقیق انیق ہے جس کے بل بوتے پر مؤلفِ نورِ ہدایت گویا یوں کہتے ہیں کہ ؎

پکڑ کر لایا ہوں میں شیرِ تحقیق   تم اپنے فیلِ معنیٰ کو نکالو

اور اگر بالفرض مؤلفِ نورِ ہدایت کے نزدیک اس عبارت کا وہ مطلب نہیں ہے جو ہم نے بیان کیا ہے (اور درحقیقت اس کا مطلب ہی صرف یہ ہے) تو وہی اس کا کوئی ایسا مطلب یا تاویل بیان کریں جو عباراتِ قوم سے عموماً اور مواقف اور شرح مواقف کی واضح اور صریح عبارات سے خصوصاً نہ ٹکرائے کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔ ع

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اکابر اشاعرہ کے نزدیک معجزہ وہ فعل ہے جس میں خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی کی نبوت اور رسالت کی تصدیق ہو، خرقِ عادت کی قید کو بھی بعض نے معجزہ کی تعریف سے خارج کر دیا ہے چنانچہ شرح مواقف ہی میں لکھا ہے کہ۔

والمعجزة عندنا مایقصد به تصدیق مدعی الرسالة و ان لم یکن خارقًا للعادة (شرح مواقف صفحہ ۶۷۲)	اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس میں مدعی نبوّت کی تصدیق مقصود ہو گو وہ خرقِ عادت نہ ہو۔

اور چونکہ نبوّت من جانب اللہ عطا ہوتی ہے اس لیے تصدیق بھی اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے ہوگی، اور اس میں نبی کا کچھ دخل نہیں ہوگا اور یہ عبارت معجزہ کے غیر اختیاری ہونے کی ایک اور دلیل ہے اگر ظاہری عبارت کو دیکھا جائے تو اس سے "مؤلف نورِ ہدایت" کے لیے ایک اور الجھن پیدا ہو گئی کیونکہ وہ تو یہ کہکر کہ بلا اسبابِ ظاہری بطور خرقِ عادات (نورِ ہدایت ص۳۴) اور یہ لکھ کر کہ جو اُمور اسبابِ عادیہ کے تحت ظاہر ہوں وہ خرقِ عادت نہیں (نورِ ہدایت ص۳۰) جس طرح اپنا غلط اور باطل مدعا ثابت کرنے کے درپے ہیں یہ عبارت تو ان کے سراسر خلاف جاتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ جو اُمور اسبابِ عادیہ کے تحت ہوں مگر ان سے مدعیٔ نبوّت کی تصدیق مقصود ہو تو وہ بھی اشاعرہ کے نزدیک معجزہ ہیں یہ بحث عنقریب اپنے مقام پر آرہی ہے کہ معجزات اور کرامات بعض محققین کے نزدیک فی الجملہ اُمورِ اسبابیہ ہیں مطلقاً مافوق الاسباب اُمور نہیں ہیں۔ الغرض مؤلف نورِ ہدایت نے جب پہلا ہی قدم غلط رکھا تو اُس پر اُن کو قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا پڑیں اور پیچ در پیچ غلطیوں کا شکار ہونا پڑا جن پر گویا بزبانِ حال ہاتف ان کو یہ صدا

دے رہا ہے کہ ؎

ٹھوکریں مت کھایئے چلئے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

صریح بہتان

الامام الکبیر المجاہد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ المتوفی ۱۲۹۶ھ پر مؤلف نور ہدایت نے صریح بہتان باندھا ہے۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ "خود حزبِ مخالف کے قاسم العلوم والخیرات محمد قاسم نانوتوی تحریر کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظرِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے مثلِ عنایاتِ خاصہ گاہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا ۱۲ التحذیر الناس ص۲۷ مطبوعہ سرکار پریس۔ بحمد اللہ تعالےٰ ائمہ اہلِ السنّت (صرف مؤلف نور ہدایت کے ذہن نارسا مبارک میں۔ صفدر) اور خود حزبِ مخالف کے اکابرین کی زبانی ثابت ہو گیا کہ معجزات اور کرامات انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے قصد و اختیار سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ یہی ہمارا دعوےٰ اور مقصد اس بحث کا تھا جسے دلائلِ واضحہ سے مبرہن کیا گیا۔ بلفظہٖ (نور ہدایت ص۳۷، ۳۸) مؤلفِ نورِ ہدایت نے نہ تو پوری عبارت ہی نقل کی ہے اور نہ حضرت مولانا کے مطلب کو سمجھے ہیں۔ اور یہ صرف مولانا ہی کی عبارت سے ان کا وتیرہ نہیں ہے وہ تو خیر سے کسی عبارت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور بہت ممکن ہے کہ وہ اس کی اہلیت بھی نہ رکھتے ہوں اور رونا اور مصیبت بھی تو صرف اس امر کی ہے کہ اہلِ علم کی علمی اور دقیق عبارتیں جہلا کے ہاتھ چڑھ گئی ہیں۔ ع

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

حضرت مولانا کی پوری عبارت اس طرح ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہوئی کہ معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظرِ ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے۔ مثلِ عنایاتِ خاصہ گاہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ملا جو تبیانا لکلّ شیءٍ ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ اس فن میں یکتا ہیں کیوں کہ ہر شخص

کا اعجاز اُسی فن میں متصور ہے جس فن میں اور اُس کے شریک نہ ہوں اور وہ اس میں یکتا ہو۔اھ (بلفظہٖ تحذیر الناس صـ) حضرت مولانا اس مقام پر معجزہ خاص کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ (جیسے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یدبیضا اور عصا، وغیرہ) نہ کہ عام معجزات کا جو گاہ وبیگاہ اور وقتاً فوقتاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں۔ اور اس کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ معجزہ مثل پروانہ تقرری کے نبی کو بطور سند نبوت ملتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سند وہی معتبر اور مستند ہوا کرتی ہے جو معطی کی طرف سے ملا کرتی ہے جس کو خود انسان اپنے ہاتھ اور فعل وکسب سے تیار کرتا ہے وہ معتبر نہیں ہوا کرتی، اور اس عبارت میں حضرت مولانا مرحوم معجزہ کے غیر کسبی اور غیر اختیاری ہونے کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں اور پھر اس کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا خاص معجزہ قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عنایت ہوا اور ہر وقت یہ آپ کے پاس رہا، ایسا نہیں کہ مثل عنایاتِ خاصہ کے گاہ وبیگاہ آپ کے ہاتھ مبارک سے صادر ہوتا رہا (جیسے شق قمر، نبع الماء من الاصابع، وکثرۃ الماء والطعام، وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ معجزات تو آپ کے ہاتھ مبارک پر گاہ وبیگاہ اور وقتاً فوقتاً صادر ہوتے رہے ہیں نہ یہ کہ قرآن کریم کی طرح ہمیشہ آپ کے پاس رہے ہیں)۔

لفظ قبضہ سے اگر مؤلف نور ہدایت نے اس کا آپ کے کسب واختیار سے صدور سمجھا ہے تو یہ ان کی عجیب جہالت بلکہ حماقت ہے کیونکہ حضرت مولانا نے اس معجزہ خاص کی مثال آگے قرآنِ کریم سے بیان کی ہے اور مولانا تو بھلا کب اس کے قائل ہوتے کوئی مسلمان بھی تو اس کا قائل نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معجزہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کسب واختیار اور قصد کا کوئی دخل تھا۔ علّامہ تورپشتی رح ارقام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم معجزہ ہے اور اگر قول پیغمبر بودے ہم چنیں معجز نبودے۔

ضرورت تو نہیں کہ ہم قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے پر دلائل قائم کریں اور یوں آفتاب کو چراغ دکھائیں مگر محض کوتاہ فہم لوگوں کی تسلی کے لیے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ۔

حضرت مولانا نانوتوی رح خود تحریر فرماتے ہیں کہ: "الغرض معجزات علمی میں رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلّم اور سب سے زیادہ ہیں کیونکہ کلام ربّانی اور کسی کے لیے نازل نہیں ہوا چنانچہ خود اہل کتاب اس بات کے معترف ہیں کہ الفاظ توریت وانجیل منزل من اللہ نہیں وہاں سے فقط الہامِ معانی ہوا اور بیاں اکثر انبیاء یا حواریوں نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا، اور اپنا یہ اعتقاد ہے کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اُسی طرف سے ہیں، پر وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شان خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لیے نہیں کہ ان کا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں" اھ (حجۃ الاسلام صـ۴۲ لمولانا نانوتویؒ) اس عبارت میں حضرت مولاناؒ نے قرآن کریم کے الفاظ ومعانی کو منزل من اللہ کہا ہے۔ اندریں حالات یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ حضرت مولانا رح قرآن کریم جیسے معجزۂ خاص کو اپنے ان الفاظ میں کہ "اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے۔ مثل عنایات خاصہ گاہ وبیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اپنا کسبی واختیاری فعل تسلیم کرتے ہیں؟ مگر کیا کیا جائے اہل بدعت حضرات کا باوا آدم ہی نرالا ہے وہ شتر بے مہار کی طرح جو چاہیں کہتے پھریں۔ اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام قرار دیں تو ان کو کون پوچھتا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے

اگرچہ جناب امام الانبیاء، خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بیشمار معنوی اور حسی معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت ہوئے ہیں مگر یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی ومعنوی ہر حیثیت سے جچی تلی باون تولہ پاؤ رتی ہیں نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے

نہ تنگ، جن عقائد و اعمال، اصول و فروع، اخلاق و مواعظ اور قیمتی و گرانمایہ پند و نصیحت پر قرآن کریم کی آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لیے استعمال اور پیش کیے گئے ہیں وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلے ہوئے ہیں۔ قرآن حقائق اور دلائل ایسے محکم مضبوط اور اٹل ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے اہم تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح مائدہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کیا گیا ہے جو تناول کرنے والوں کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ الغرض قرآن کریم سب سے اعلیٰ و اکمل کتاب ہے۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح اسلوب بیان نہایت مؤثر و شگفتہ تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط و تفریط کا اس میں ادنیٰ شائبہ بھی موجود نہیں ہے اور اگر یہ خوبیاں خدا تعالیٰ کے کلام میں نہ ہوں تو اور کس کے کلام میں ان کی توقع کی جا سکتی ہے؟ مگر کاش کہ اس سے کوئی استفادہ کرنے والا بھی تو ہو سہ

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

قرآن کریم کا معجزہ ہونا ایک بیّن اور واضح حقیقت ہے اور تمام اہل اسلام اس کو معجزہ تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ (المتوفی ۵۷ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

قال ما من الانبياء من نبي الا اعطي	انبیاء کرام میں سے کوئی نبی ایسے نہیں گذرے جن کو
من الأيات ما مثله امن عليه البشر	ایسے معجزات نہ عطا کیے گئے ہوں جن پر لوگ ایمان
وانما كان الذي اوتيت وحيا اوحى	لاتے رہے ہیں مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ عطا
الله اليّ فارجوا ان اكون اكثرهم تابعا	کیا ہے وہ وحی ہے سو میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت

يوم القيٰمة (مسلم جلد ۱ ص۸۶ و ابوعوانه جلد ۱ ص۱۰۱ و بخاری ص۷۴۴ ج۲ واللفظ لمسلم)	کے دن میری اطاعت کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ وحی الٰہی اور قرآن کریم ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے کہ جو لاکھوں اور کروڑوں انسانوں اور جنّوں کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بنا ہے اور تا قیامت بنا رہے گا (۱) حضرت امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف۔ النوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ اس کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں ایک یہ کہ ہر ایک نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے معجزات عطا کیے گئے ہیں جو ان سے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی عطا کیے جاتے رہے ہیں اور وہ لوگوں کے ایمان کا ذریعہ بنتے رہے ہیں (مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ)

واما معجزتي العظيمة الظاهرة فهي القرآن۔	بہرحال میرا سب سے بڑا اور ظاہر معجزہ قرآن کریم ہے۔

ایسا معجزہ مجھ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں کیا گیا لہٰذا میری اطاعت کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے (۲) دوسرا مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز قرآن کریم کی صورت میں مجھے عطا کی گئی ہے اس میں جادو وغیرہ کا وہم اور شبہ صورۃً بھی پیدا نہیں ہو سکتا بخلاف ان معجزات کے جو دوسرے انبیاء کرام کو ملے کیوں کہ ان میں بعض اوقات صورۃً جادو کا شبہ ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے عصائے موسیٰ کی شکل میں ہی اپنے ناپائیدار جادو کا اثر ظاہر کیا تھا اور ایسا خیال کبھی بعض لوگوں کی غلط فہمی کا ذریعہ بن سکتا ہے اور معجزہ اور جادو و تخییل میں فکر و غور کرنے میں کبھی دیکھنے والا غلطی کھا جاتا ہے اور ان سب کو ایک ہی سمجھ لیتا ہے (اور قرآن کریم میں اس کا امکان نہیں ہے) اور (۳) تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ان کے زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ

بھی ختم ہو گئے (کیونکہ وہ اکثر حسی معجزات تھے) اور بعد کے آنے والوں نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا۔ ان کے مشاہدہ سے تو صرف وہی لوگ مستفید ہوتے رہے جو اس زمانہ میں موجود تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ قرآن کریم ہے جو قیامت تک رہے گا، اور اس کے طرز بیان و اسلوب اور بلاغت و اخبار بالمغیبات میں ایسا خرقِ عادت کا نادر نمونہ موجود ہے جس کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثل لانے سے بھی تمام انس و جن اجتماعی و انفرادی صورت میں تمام زمانوں میں باوجود اس کے مقابلہ و معارضہ پر حریص ہونے کے عاجز رہے ہیں حالانکہ وہ لوگ اپنی فصاحت و بلاغت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور اس کے علاوہ قرآن کریم میں جو وجوہ اعجاز موجود ہیں وہ ان کے سوا ہیں جو معروف و مشہور ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۶)

۲۔ امام ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کے اثبات کا ذریعہ معجزۂ قرآن کریم ہے اور فرماتے ہیں کہ وہ چیز جس کا پوری طرح سے اہتمام تام کرنا واجب ہے قرآن کریم کے اعجاز کی معرفت ہے وہ بھی محض اس لیے کہ۔

ان نبوة نبينا عليه السلام بنيت	ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کی بنیاد
على هذه المعجزة و انكان قد ايد	اور اثبات ہی اس معجزہ پر موقوف ہے اور اگرچہ آپ
بعد ذلك بمعجزات كثيرة اھ	کو اس کے علاوہ بھی اور بہت سے معجزات عطا کئے
(اعجاز القرآن برحاشیہ اتقان (جلد ا ص۸)	گئے ہیں (مگر یہ معجزہ سب سے بڑا ہے)

۳۔ امام ابن ہمام الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے ہیں وہ (اصولی طور پر) تین قسموں میں منقسم ہیں۔

اعظمها القرآن اھ المسايرة	اِن سب میں بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔
المسامرة جلد (۲) ص۹)	

۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ۔

ولاخلاف بين العقلاء ان كتاب	عقلاء کے طبقہ میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف
الله تعالى معجز لم يقدر احد على	نہیں ہے کہ کتاب اللہ معجز ہے اس کے معارضہ

معارضته بعد تحديهم بذلك	پر کسی کو قدرت حاصل نہیں ہوئی حالانکہ ان کو اس
(فتح الباری جلد ص)	کے معارضہ کا کھلا چیلنج بھی کیا گیا ہے۔

۵۔ امام جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ۔

لما ثبت كون القرآن معجزة نبينا	جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم آنحضرت
صلى الله عليه وسلم وجب الاهتمام	صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہے تو اس کے وجوہ اعجاز
بمعرفة وجه الاعجاز اھ (اتقان ج۲ ص۱۱۸)	کی معرفت کا اہتمام کرنا واجب قرار پایا۔

۶۔ امام تورپشتیؒ لکھتے ہیں کہ۔

قرآن معجز است و معجز آن باشد کہ جز خدائے	قرآن کریم معجزہ ہے اور معجزہ وہ ہوتا ہے کہ بجز
تعالیٰ دیگرے برآں قادر نباشد و اگر قول جبرئیلؑ	اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اس پر قادر نہ ہو اور اگر قرآن
بودے معجز نبودے و اگر قول پیغمبر بودے ہم چنیں	قول جبرئیل ہوتا تب بھی معجزہ نہ ہوتا اور اگر قول
معجز نبودے۔	پیغمبر ہوتا تب بھی معجزہ نہ ہوتا۔

(المعتمد فی المعتقد باب دوم فصل ششم)

۷۔ اور علامہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوریؒ المتوفی ۱۳۱۳ھ لکھتے ہیں کہ "و افضل معجزات او صلی اللہ علیہ وسلّم قرآن معجز است" (فتوح العقائد ص۲۵)

۸۔ حکیم الامّت مجدد وقت حضرت احمد بن عبدالرحیم۔ الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی الحنفیؒ المتوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں کہ:۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ جادو کے فن میں مصروف اور اس پر فریفتہ تھے سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عصا اور ید بیضا کا معجزہ نازل کیا تاکہ لوگ جس فن میں ماہر تھے اور اُن کی نگاہیں جس فن کی طرف اٹھ سکتی تھیں اس میں ان کو عاجز کر دیا جائے تاکہ حجت بالکل ظاہر ہو جائے اور ان کے جادو کے کرشمہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر کے جس پر ان کا اعتبار و اعتماد تھا اس کا قلع قمع کیا جائے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں لوگ اشعار اور خطابت کے فن میں یکتا اور مشہور تھے اور فصاحت میں ان

کا مرتبہ اور شان بڑی اونچی تھی۔

فانزل الله معجزة القران فاعجزهم وتحدی منهم فکان اظهر لحجیته حیث اعجزهم فیما کانوا ماهرین فیه (تفهیمات الٰهیه جلد ۱ ص ۸۲)

سو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا معجزہ نازل کیا اور ان لوگوں کو کھلا چیلنج کیا جس سے اس کی حجیت بالکل ظاہر ہو گئی اور ان کو اس چیز میں اس نے عاجز کر دیا جس میں وہ بڑے ماہر تھے۔

۹۔ علامہ عضدالدینؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں دلائل قائم کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ منجملہ ان کے۔

فمعجزة القران وغیره اه (مواقف مع الشرح صفحہ ۶۷۷)

معجزہ قرآن وغیرہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے

۱۰۔ علامہ عبدالرحمٰن بن خلدونؒ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

فاعلم ان اعظم المعجزات واشرفها واوضحها دلالة القران الکریم المنزل علی نبینا محمد صلی الله علیه وسلم اه (مقدمہ ص ۹۵)

جاننا چاہیے کہ سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ و اشرف اور حق پر دلالت کرنے میں واضح تر معجزہ قرآن کریم ہے جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار معجزات من جانب اللہ عطا ہوئے تھے مگر قرآن کریم سے بڑھ کر وزنی اور اہم معجزہ جو قیامت تک رہنے والا ہے آپ کو اور کوئی نہیں عطا کیا گیا۔ اگر یہ باطل اور مردود نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ نبی کا مقدور اور اس کا اپنا فعل ہوتا ہے اور اس میں اس کے کسب و اختیار کا دخل ہوتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم کا معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مقدور فعل ہے اور آپ نے خود بنایا ہے (اگرچہ اس کے بنانے پر خلق کے طور پر قدرت خدا نے دی ہے مگر فعل وہ آپ ہی کا ہے) اور آپ ہی کا مقدور ہے

اور یہی خیال تھا مشرکین مکہ کا کہ قرآن کریم کو یہ نبی خود بنا بنا کر لاتا اور پیش کرتا ہے اور یہی خیال باطل قرآن کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کا اور زمانہ حال کے ملحدین میں سے نیاز فتحپوری وغیرہ کا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے ہیں من جانب اللہ نازل نہیں ہوئے اور معجزہ کو نبی کا مقدور اور اس کا فعل کہہ کر یہی باطل نظریہ "نور ہدایت" والے کا ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ کتاب کسی عیسائی اور آریہ کے ہاتھ میں آ گئی تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ اور وہ زمین کو سر پر اٹھا لیں گے، کہ مسلمانوں میں بھی ماشاء اللہ ایسے افراد اور شیر موجود ہیں جن کے نظریات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام تھا اور ان کا اپنا مقدور ہے، افسوس ہے کہ ایسے گندے اور ناپاک نظریہ نے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کا پہلا ہی قدم غلط اٹھتا ہے تو پھر سے راہ راست کو چھوڑ کر گمراہی کے جنگلات طے کرنے پڑتے ہیں ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا مے رود دیوار کج

کرامت کس کا فعل ہے؟

معجزات کی اس طویل اور ٹھوس و مدلل بحث کے بعد اس کی ضرورت تو نہیں کہ ہم کرامت کے عنوان پر مزید کچھ عرض کریں، کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ نبی کا معجزہ ان کا اپنا فعل نہیں ہوتا اور نہ اس میں ان کے کسب و اختیار کا کچھ دخل ہی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے تو اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کرامت ولی کا فعل کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ مگر ہم محض تکمیل بحث کے لیے کرامت کے بارے میں بھی چند نقول عرض کرتے ہیں۔

۱۔ سید الطائفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۶۱ھ سالک کے مقام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تو اپنی خودی کو مٹا کر فانی ہو جائے تو اس وقت

فحینئذٍ یضاف الیك التکوین و خرق العادات فیری ذلك منك

تیری طرف تکوین اور خوارق عادات کی نسبت کی جائے گی اور یہ چیز عقل کے ظاہر فیصلہ کے مطابق

فی ظاهر العقل والحکم وهو فعل الله وارادته حقا فی العلم الخ
(فتوح الغیب ص۷ مقالہ ۶)

تجھ سے دیکھی جائے گی حالانکہ درحقیقت اور اعتقادی طور پر فی الواقع یہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا ارادہ ہوتا ہے (جو تیرے ہاتھ پر صادر کیا جاتا ہے)

۲۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

پس چوں فانی شدی از خودی ونماند جز فعل وارادت در تو نسبت کردہ مے شود بسوئے تو پیدا کردن کائنات و پارہ کردن عادات یعنی متصرف مے گرداند ترا در عالم بخوارق وکرامات پس دیدہ مے شود آں فعل وتصرف از تو در ظاہر عقل وحکم وے ولیکن در باطن ونفس الامر فعل پروردگار است تعالیٰ چہ معجزہ وکرامت فعلِ خدا است کہ ظاہر مے گردد بر دست بندہ بجہت تصدیق وتکریم وے نہ فعل بندہ است کہ صادر میگردد بقصد واختیار او مثل سائر افعال چنانکہ فرمودہ اند وحال آنکہ آں خرق عادت فعل وتصرفِ خدا است الخ
(ترجمہ فتوح الغیب ص۲۷)
(مقالہ نمبر۶)

پس جب تو اپنی خودی کو مٹا کر فانی ہو جائے اور اور تجھ میں فعل وارادت کے بغیر اور کچھ بھی باقی نہ رہے تو تیری طرف کائنات کی تخلیق اور خرقِ عادات کے امور نسبت کئے جائیں گے یعنی تجھے جہان میں متصرف گردانا جائے گا۔ خوارق اور کرامات کے سلسلہ میں پس ظاہری طور پر وہ فعل اور تصرف تجھ سے صادر ہوگا مگر باطن اور نفس الامر میں وہ پروردگار کا فعل ہوگا کیوں کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو بندہ کے ہاتھ پر اس کی تصدیق اور تکریم کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے معجزہ اور کرامت بندہ کا فعل نہیں ہوتا جو اس کے قصد واختیار سے صادر ہو جیسا کہ اس کے دوسرے اختیاری افعال ہوتے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ وہ خرقِ عادت اور تصرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو بندہ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر حضرت شیخ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ثم قد یرد الیه التکوین فیکون جمیع ما یحتاج الیه باذن الله۔
(فتوح الغیب ص۸۰ مقالہ ۴۶)

پھر کبھی اس ولی کی طرف تکوین نسبت کر دی جاتی ہے سو باذن اللہ جس چیز کی حاجت محسوس ہوتی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔

اور حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ التکوین کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

سپردہ مے شود بوے پیدا کردن اشیاء و تصرف در اکوان کہ عبارت از خرق عادت وکرامت است۔

کہ اس کی طرف اشیاء کا پیدا کرنا اور اکوان کے اندر تصرف کرنا سپرد کر دیا جاتا ہے یعنی خرق عادت اور کرامت اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

یعنی آں درحقیقت فعلِ حق است کہ بر دستِ ولی ظہور یافتہ چنانچہ معجزہ بر دست نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ترجمہ فتوح الغیب ص۲۰۰ مقالہ ۴۶)

درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے جیسا کہ معجزہ نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے (مگر خدا کا فعل ہوتا ہے)۔

ان عبارات سے ایک تو یہ امر واضح ہو گیا کہ کرامت ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اور دوسری بات یہ بھی روشن ہو گئی کہ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی عبارات میں جہاں تکوین اور تصرف وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں تو ان سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ خداوند کریم کی طرح وہ تکوین وتصرف کرتے اور کر سکتے ہیں، حاشا وکلّا بلکہ مراد اس سے صرف خرقِ عادت اور کرامت ہوتی ہے اور یہیں سے اہلِ بدعت کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ اولیاء کرامؒ کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیتے ہیں کہ ان کو بھی اس عالم میں تصرف حاصل ہوتا ہے اور تکوین ان کے سپرد ہوتی ہے حالانکہ بات بالکل واضح ہے کہ تکوین اور تصرف سے مراد صرف یہ ہے کہ خوارق عادات امور اور کرامات کا ان اکابر کے ہاتھوں پر صدور ہوتا ہے اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے ولی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا، اور نہ وہ کائنات کے اندر دخیل اور متصرف ہوتا ہے اور یہ اتنی آشکارا بات ہے جس میں سرے سے کوئی الجھن ہی نہیں بشرطیکہ چشم بصیرت سے کوئی دیکھے ورنہ ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؒ یا شیخ عبدالحق صاحبؒ وغیرہ کی عبارات سے اولیاء کرامؒ کے متصرف ثابت کرنے والوں کو یہ عبارتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۳۔ علامہ ابن خلدونؒ علم تصوف کی بحث کرتے ہوئے اکابر صوفیائے کرامؒ کی کرامات کو حق اور صحیح کہتے ہوئے یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ وہ

التصرفات فی العوالم والاکوان بانواع الکرامات الخ (مقدمہ ص۴۲۴)

جہانوں اور اکوان میں مختلف قسم کی کرامات سے تصرفات کرتے ہیں (جو صحیح ہیں)۔

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وقد یوجد لبعض المتصوفة واصحاب الکرامات تاثیر ایضًا فی احوال العالم ولیس معدودًا من جنس السحر وانما ھو بالامداد الالٰھی لان طریقھم ونحلتھم من آثار النبوۃ وتوابعھا ولھم فی المدد الالٰھی حفظ علی قدر حالھم و ایمانھم وتمسکھم بکلمۃ اللہ الخ (مقدمہ ص۵۰۲)

کبھی بعض صوفیائے کرامؒ اور اصحاب کرامات سے احوال عالم میں تاثیر دیکھنے میں آتی ہے اور یہ جادو کی قسم سے نہیں ہوتی بلکہ یہ اُن اولیاء اللہ پر محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے اور اس کی مدد سے یہ امور ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ ان کا طریقہ اور نسبت آثار نبوت اور اس کے توابع سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے جیسا کہ ایمان کی قوت اور حال اور تمسک بکلمۃ اللہ میں ان کا رتبہ اور درجہ ہوتا ہے

۴۔ مولانا حیدر علی صاحب ٹونکیؒ المتوفی سنہ ھ (شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ) فرماتے ہیں کہ۔

ومایزعم العوام ان الکرامت فعل الاولیاء انفسھم باطل بل ھو فعل اللہ تعالیٰ یظھرہ علیٰ ید الولی تکریمًا لہ وتعظیمًا لشانہ ولیس للولیّ ولا للنبی فی صدورہ اختیار اذ لا اختیار لاحد فی افعال اللہ تعالیٰ وتقدس۔ (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ جلد۳ ص۲۵)

عوام (کالانعام) جو یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ کرامت اولیاء کرامؒ کا اپنا فعل ہوتا ہے تو یہ سراسر باطل ہے بلکہ کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے محض اُس کی تکریم اور تعظیم کے لیے اور ولی اور نبی کا اس فعل کے صادر کرنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے افعال میں کس کو اختیار حاصل ہو سکتا ہے؟

۵۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔

وکرامت عبارت است از خرق عادتے کہ بر دست ولی صادر شد بغیر دعوے امرے (مجموعہ فتاویٰ جلد۲ ص۱۸)

اور کرامت وہ خارقِ عادت امر ہے جو ولی کے ہاتھ پر صادر ہو بغیر اس کے کہ وہ کسی چیز کا دعوےٰ کرے۔

۶۔ حضرت مولانا شاہ سخاوت علی صاحب جونپوریؒ المتوفی ۱۲۷۴ھ (خلیفہ حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ) لکھتے ہیں کہ

سوال کرامت کیا ہے جواب خلاف عادت کا کام اولیاء کے ہاتھ سے ہوئے جیسے دُور کی راہ تھوڑی مدّت میں جاوے یا ہوا پر چلے یا کھانا پانی حاجت کے وقت مل جاوے سوال کرامت اس کے اختیار میں ہے یا نہیں؟ جواب اختیار میں نہیں ہے جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے اس کی عزت بڑھانے کو اس کے ہاتھ سے ظاہر کرا دیتا ہے۔ (عقائد نامہ اُردو ص بحوالہ رشیدیہ جلد۳ ص۲۶)

اِن تمام عبارات سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ کرامت حق ہے مگر ولی کے اختیار اور کسب کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور نہ کرامت ولی کا فعل ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم کی بنا پر اللہ تعالیٰ صادر فرما دیتا ہے اگر مؤلفِ نورِ ہدایت کو ان عبارات پر یقین نہیں آتا تو ہم ان کو مجبور نہیں کرتے انکے لیے ہم ان کے مسلم پیشوا اور مقتدا کا حوالہ عرض کر دیتے ہیں جن کی کتاب الامن والعلےٰ سے مؤلفِ مذکور نے رطب ویابس باتیں چن چن کر اپنے عقائد کی بنیاد رکھی ہے اور نورِ ہدایت میں بھی اپنے قلب مریض کی تسکین کا سامان مہیا کیا ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ۔

عرض کسبی کی کرامت کسبی بھی ہوتی ہے ارشاد کرامت سب کی وہبی ہوتی ہے اور وہ جو کسب سے حاصل ہو بھان متی کا تماشا ہے لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ (بلفظہٖ ملفوظات حصہ چہارم ص۱۳)

لیجئے اس کو پڑھیے اور سر دھنیے اب تو سرے سے جھگڑا ہی ختم ہوگیا ہے اور مؤلف "نورِ ہدایت" نے ادھر اُدھر سے اور مسئلہ زیرِ بحث سے غیر متعلق اور ناتمام حوالے جمع کرکے جو معجزہ اور کرامت کو کسبی اور اختیاری امر کہا تھا اور اس کا عملی ثبوت دیا تھا کہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا، خدا کی شان وہی ان کے اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے سراسر خلاف ہوکر بھان متی کا تماشا بن کر رہ گئے ہیں، غالباً ایسے موقع پر کسی رسیدہ فکر نے کہا ہے کہ ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

قارئین کرام! اس سے بڑھ کر ہم اور کیا عرض کرسکتے ہیں کہ قرآن کریم صحیح احادیث اور جمہور سلف و خلف اور حتّٰی کہ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت کے قول سے بھی یہ ثابت ہوگیا ہے کہ معجزہ اور کرامت نبی اور ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اور یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔

اب "مؤلفِ نورِ ہدایت" پر لازم ہے کہ وہ اس ناپاک عقیدہ سے توبہ اور رجوع کریں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ کفریات سے توبہ کرکے مسلمان ہوجانے اور آئندہ کے لیے اپنے عقیدہ اور عمل کی حالت کو درست کرلینے پر حق تعالیٰ تمام گذشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں ؎

عہ فی شرح العقائد ص۶۰ والکسب مقدور وقع فی محل قدرته۔
کہ کسب اس مقدور کا نام ہے جو محلِ قدرت میں واقع ہو۔

باز آ باز آ ہر آں چہ کردی باز آ | گر کافر و گبر بُت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نا امیدی نیست | صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

کیا معجزات اور کرامات مطلقاً ما فوق الاسباب اُمور ہیں؟

یہ تمام بحثیں صرف اِس اَمر سے متعلق تھیں کہ معجزہ و کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ نبی و ولی کے کسب و اختیار اور قصد کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ مرحلہ اب بھی باقی ہے۔ کہ کیا معجزات و کرامات مطلقاً ما فوق الاسباب اُمور ہوتے ہیں؟ یا ان کے لیے بھی غیر عادی غیر ظاہری اور مخفی اسباب ہوتے ہیں؟

شیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبد اللہ بن سینا المتوفٰی ۴۲۸ھ نے اشارات کے آخر میں باب باندھا ہے جس میں خرق عادت پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان سب خوارق عادات کے اسباب طبعی موجود ہوتے ہیں مگر ہم ان کی تصریحات اس لیے نقل نہیں کرتے کہ مذہبی حیثیت سے یہ مقتدا تسلیم نہیں کیے جاتے اور نہ معجزات و کرامات کے اسباب طبعی ہوتے ہیں اسلامی فرقوں میں صرف بعض اشاعرہ ہی مطلقاً سلسلہ اسباب کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی شے کسی کی علّت و سبب نہیں اور نہ اشیاء میں خواص و تاثیر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق میں جہاں اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہیں جن میں وہ متفرد ہیں، ان میں اس مسئلہ کو بھی شمار کیا ہے اور ان کے علاوہ باقی تمام اسلامی فرقے اس کے قائل ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علّت و معلول سبب و مسبب شرط و مشروط مؤثر و مؤثر کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ بات ملحوظ خاطر ہے کہ یہ اسلامی فرقے فلاسفہ اور حکماء کی طرح اللہ تعالیٰ کو علّتِ موجبہ اور عالم کو معلول نہیں کہتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو فاعل بالاختیار کہتے ہیں۔ ہاں اسباب و مسببات میں آپس میں ایک دوسرے کو علّت و معلول اور سبب و مسبب وغیرہ مانتے ہیں۔ وبینھما بونٌ بعید۔ اور کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت۔ سنت اللہ اور خلق اللہ ہے۔ اور قرآن مجید کی ان آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ط — خدا تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی نہیں۔

لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَحْوِيلًا — خدا تعالیٰ کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا — اور تم خدا تعالیٰ کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی واقعہ خدا تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آتا ہے جس کو لوگ خرق عادت سے تعبیر کرتے ہیں، تو وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع میں آتا ہے۔ گو وہ اسباب مخفی، غیر معمولی اور غیر طبعی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب وغریب واقعات صادر ہوتے رہتے ہیں جن کا ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں سو ان کے امکان کا کسی طرح انکار مناسب نہیں ہے اور نہ ان کے محال ہونے کا فیصلہ درست ہے اور اسی طرح مُردہ کا زندہ کرنا اور لاٹھی کا سانپ بنا دینا اسی طریق پر ممکن ہے کہ چونکہ مادہ ہر چیز کو قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً مٹی اور جملہ دیگر عناصر نباتات کی شکل میں نمودار ہو جاتے ہیں اور ان ہی سبزیوں اور ترکاریوں کو جب جاندار کھاتے ہیں تو ان میں خون پیدا ہوتا ہے اور یہ نباتات خون کی صورت اختیار کر لیتی ہیں پھر یہی خون منی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور یہ منی جب رحم میں پہنچتی ہے تو اس سے جاندار کی شکل تیار ہوتی ہے اور یہ تبدیلیاں عادۃً کافی زمانہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہیں۔

فلم یحیل الخصم ان یکون فی مقدرات اللہ ان یدیر المادۃ فی ہذہ الاطوار فی وقت اقرب مما عہد فیہ واذا جاز فی وقت اقرب فلا ضبط للاقل فتستعجل ہذہ القوی فی عملہا ویحصل بہ ما ہو معجزۃ للنبی۔

پس مخالف کیوں اس کو محال سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بات داخل ہو کہ وہ مادہ کو ان مختلف حالات میں بہت ہی مختصر سے وقت میں اس قابل بنا دے کہ وہ معہود وقت سے کم میں یہ تبدیلیاں قبول کرے اور جب اس سے اقرب وقت میں ایسا ہونا ممکن ہے تو اقل کے لیے کوئی حد ہی نہیں ہے لہٰذا جب یہ قوتیں بڑی عجلت سے اپنی کارروائی پایۂ تکمیل کو پہنچا دیں گی تو اس سے نبی کا معجزہ حاصل ہو جائے گا۔

(تہافت الفلاسفۃ للغزالیؒ ص ۶۸ طبع مصر)

حضرت امام غزالیؒ کی یہ عبارت اس بات کو واشگاف کرتی ہے کہ معجزہ در اصل فی الجملہ مادہ اور علّت وسبب سے وابستہ ہے یہ الگ بات ہے کہ عام طور پر جتنا وقت غیر خارق عادات امور کے لیے درکار ہوتا ہے وہ وقت خرق عادت اور معجزہ کے لیے ضروری نہیں ہے اور اس اقل وقت کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی امام موصوف کے اس ارشاد کا سائنس کے اس ترقی یافتہ زمانہ اور ایٹمی دور میں کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ آناً فاناً مصنوعی بادلوں سے مینہ برسایا جا سکتا ہے اور ایٹمی آلات اور سائنس کی قوت سے بہت مختصر وقت میں فصلیں پکائی جا سکتی ہیں اور مصنوعی طریقہ پر انڈوں سے بڑی سرعت کے ساتھ چوزے حاصل کیے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

امام غزالیؒ نے اپنی دیگر کتابوں مثلاً احیاء العلوم، منقذ من الضلال، مضنون بہ علی غیر اہلہ اور معارج القدس وغیرہ میں بھی معجزات اور خوارق عادات پر کافی بحث کی ہے۔ صاحبِ ذوق کو اپنی آتش شوق بجھانے کے لیے ان کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہیئے۔

علامہ ابن رشد ابو الولید محمد بن احمد الاندلسی المالکیؒ المتوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں کہ۔

فالذی یجب ان یقال فیہا ان مبادیہا ہی امور الٰہیۃ تفوق العقول الانسانیۃ فلا بد ان یعترف بہا مع جہل اسبابہا ولذٰلک لا تجد احداً من القدماء تکلم فی المعجزات مع انتشارہا وظہورہا فی العالم اھ

جس چیز کا کہنا واجب اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ معجزات کے مبادی الٰہی امور ہیں جو انسانی عقول سے بالاتر ہیں سو ان کے اسباب معلوم نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ تم قدماء میں سے کسی کو نہ پاؤ گے جس نے معجزات میں کلام کیا ہو حالانکہ معجزات سب عالم میں منتشر اور ظاہر ہو چکے تھے۔

(تہافت الفلاسفۃ ص ۱۲۴ لابن رشدؒ طبع مصر)

اس عبارت میں علامہ موصوفؒ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ معجزات کے اسباب کی نفی نہیں بلکہ عام عقول انسانی کو ان سے جہل ہے اور عدم علم۔ عدم شئے کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور اس سے قبل منطقیانہ اور فلسفیانہ انداز میں بیان کو جاری رکھتے ہوئے قدرے طیش میں آکر لکھتے ہیں کہ۔

فمن رفع الاسباب فقد رفع العقل وصناعة المنطق تضع وضعًا انّ ههنا اسبابا ومسببات وان المعرفة بتلك المسببات لا تكون على التمام الا بمعرفة اسبابها اھ۔ (ص۱۲۳)

جس نے اسباب کو اڑا دیا تو اس نے عقل کو درمیان سے رفع کر دیا صناعت منطق کے رُو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ یہاں اسباب بھی ہیں اور مُسببات بھی ہیں اور ان مُسببات کا کماحقہ پہچاننا بغیر ان کے اسباب کے ہرگز محقق نہیں ہو سکتا۔

معجزات پر مزید بحث علامہ موصوف نے اپنی کتاب کشف الادلہ اور فصل المقال میں کی ہے وہاں ملاحظہ کیجئے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس قسم کی دقیق اور فلسفیانہ عبارتیں اور نقل کر کے قارئین کرام کے اذہان کو مشوش کریں۔ اس بحث کو حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ایک جامع و مانع عبارت پر ختم کرتے ہیں۔ حضرت موصوف لکھتے ہیں کہ۔

انما المعجزات والكرامات امور اسبابية غلب عليها السبوغ فباينت سائر الاسبابيات۔ (تفہیمات الٰہیہ ص۴۴ ج۲)

یعنی معجزات اور کرامات امور اسبابی ہیں لیکن ان پر چونکہ کمال غالب ہو گیا ہے اس لیے یہ دیگر امور اسبابی سے ممتاز ہو گئے ہیں۔

لیجئے اب تو بحث ہی ختم ہو گئی ہے کہ معجزات وکرامات مطلقاً مافوق الاسباب امور نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف نور ہدایت کا باطل اور مردود دعویٰ ہے بلکہ یہ امور اسبابی ہیں۔ اگرچہ یہ طبعی اسباب نہیں مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں ان کے صدور میں اسباب طبعیہ کو اصلاً دخل نہیں نہ جلیہ کو نہ خفیہ کو۔ (بوادر النوادر ص۴۳۸)

دیکھا آپ نے کہ مؤلفِ نورِ ہدایت نے صرف معجزات ہی کے بارے میں کس طرح قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں کہ پہلے معجزہ کی تعریف غلط کی۔ پھر معجزات کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیاری افعال قرار دیا اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کو علی الاطلاق مافوق الاسباب امور قرار دے کر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو متصرف فی الامور اور مختار کل بنانے کی ناکام سعی کی ہے۔ سچ ہے۔ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اس عبارت اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ تمام اشاعرہ بھی معجزات کو علی الاطلاق مافوق الاسباب امور نہیں قرار دیتے جیسا کہ مولانا شبلیؒ وغیرہ کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ بھی اشاعرہ کے مسلک کے ہمنوا ہیں (دیکھئے الخیر الکثیر ص۲۲) مگر باوجود اس کے وہ معجزات اور کرامات کو فی الجملہ امور اسبابی قرار دیتے ہیں مطلقاً مافوق الاسباب نہیں کہتے۔ ع

خذ ما صفا ودع ما کدر

یہ بات اچھی طرح ملحوظ خاطر رہے کہ جب معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نبی اور ولی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا حتیٰ کہ اتنا دخل بھی نہیں ہوتا جتنا کہ افعالِ اختیاریہ میں ہوتا ہے تو یہ مافوق الاسباب امور ہوں یا ماتحت الاسباب اس سے فریقِ مخالف اور اس کے بے مزد وکیل مؤلف نور ہدایت کو کیا فائدہ ہو گا؟ کما لا یخفیٰ۔

مؤلف نور ہدایت نے (صفحہ ۳۰ و ۳۱ میں) اشعۃ اللمعات اور نظم الدر وغیرہ کے حوالہ سے جو یہ ثابت کیا ہے کہ "ہرچہ باسبابِ عادیہ ظاہر گردد خارقِ عادت نبود" وکلّ ما کان ظهوره بالاسباب العادية ليس بخارق للعادة" تو یہ ان کے مدعا کی دلیل نہیں ہے کیونکہ معجزات وکرامات میں اگرچہ اسبابِ عادیہ نہیں مگر مخفی اسباب تو ہیں۔ اسبابِ عادیہ کی نفی سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ مطلقاً مافوق الاسباب امور ہوں جیسا کہ مؤلف مذکور نے اپنی کوتاہ فہمی سے یہ سمجھ رکھا ہے اور خواہ مخواہ اس کو سہارا بنایا ہے سچ ہے کہ ؎

ہمیشہ بے بسی میں کچھ سہارے یاد آتے ہیں
سفینہ ہو بھنور میں تو کنارے یاد آتے ہیں

اسی طرح علامہ کرمانیؒ کی عبارت کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ جادو آلات اور اسباب ظاہری کا محتاج ہوتا ہے مگر معجزہ اسباب ظاہری اور عادی کا محتاج نہیں ہوتا نہ یہ کہ وہاں اسباب ہی سِرے سے موجود نہیں ہوتے جیسا کہ مؤلفِ نور ہدایت نے سمجھا ہے اور اسی طرح حضرت قطب وقت مولٰینا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ کی عبارت سے مؤلفِ مذکور نے مطلقاً اسباب کی نفی پر جو استدلال کیا ہے وہ بھی قطعاً غلط ہے کیونکہ فتاویٰ رشیدیہ سے جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے اس میں بلا اسباب ظاہری کے الفاظ موجود ہیں اور کرامت میں اسباب ظاہری کے نہ پائے جانے سے

یہ تو لازم نہیں آتا کہ سرے سے وہاں اسباب ہی نہ ہوں جو مقصود مؤلف ہے۔

الغرض مؤلف نورِ ہدایت کی پیش کردہ مزعوم دلیلوں میں سے کوئی بھی اُن کے بے بنیاد دعاوی کو ثابت نہیں کرتی اور نہ کوئی دلیل ان کا ساتھ دیتی ہے حتیٰ کہ معجزہ اور کرامت کے اختیاری ہونے میں ان کے اپنے بزرگ بھی ان کا ساتھ نہیں دیتے۔ کیا ہی خوب کہا گیا ہے۔ ؎

کسی کا کیا کوئی وقتِ سیاہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انسان سے

کیا معجزات اور کرامات پر تصرف حاصل ہونے سے مافوق الاسباب امور میں تصرف حاصل ہو جاتا ہے؟

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مؤلف نورِ ہدایت نے معجزہ کی تعریف غلط سمجھی اور غلطی پھر معجزہ اور کرامت کو انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اختیاری فعل بنا کر سخت ٹھوکر کھائی پھر ان کو علی الاطلاق مافوق الاسباب امور کہہ کر اور شرمندگی اٹھائی اور آخر میں بزعمِ خود معجزات اور کرامات پر حاصل شدہ اختیار سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مافوق الاسباب امور پر متصرف ہونا ثابت کر کے جس باطل نظریہ اور عقیدہ کا انہوں نے اظہار کیا ہے وہ اُن کو اور ان کی جماعت ہی کو زیبا ہو سکتا ہے اہلِ حق کے نزدیک ان کا یہ مطلوب اور نتیجہ قطعاً مردود اور باطل ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ مسائلِ توحید بنیادی اور اصولی ہیں ان میں قیاس و اجتہاد کا سرے سے دخل ہی نہیں ہے کہ چونکہ ان ان امور پر انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تصرف عطا کیا گیا ہے لہٰذا اور امور پر بھی اُن کو تصرف حاصل ہو گا یہ نرا قیاس اور اجتہاد ہے توحید اور عقائد میں اس کا کیا کام اور دخل ہے؟ بس اتنا ہی ہو گا کہ جن جن امور پر معجزات اور کرامات کے سلسلہ میں ان کو تصرف حاصل ہے ان میں حاصل ہے دیگر امور میں کہاں سے اور کس دلیل سے اور کس طرح حاصل ہوا؟ تاکہ اب ان کی وفات کے بعد بھی اُن سے غائبانہ استعانت و استمداد کی جائے جو مؤلف نورِ ہدایت کا اصل مقصود ہے (دیکھیے ص ۵۶، ۵۸، ۵۹ وغیرہ وغیرہ) وثانیاً باب چہارم میں ہم مافوق الاسباب تصرفات کے بارے میں قدرے تفصیل سے بحث کریں گے اور انشاء اللہ العزیز بتائیں گے کہ کن اور کیسے دلائل پر مؤلف مذکور نے بنیاد رکھی ہے؟ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ چونکہ مؤلف مذکور نے بڑے ترش اور عامیانہ لہجہ میں اہلِ حق کو کوسا ہے اور مسائل حقہ سے تمسخر کیا ہے اور عہد شرافت کو خیرباد کہا ہے لہٰذا ہم بھی یہ کہتے ہوئے ان کے دلائل کی قلعی کھولیں گے کہ۔

وفائیں کیں آپ نے کہ ہم نے جفائیں کیں آپ نے کہ ہم نے
خیال فرمائیں آپ خود ہی کہ عہد ٹوٹا کدھر سے پہلے

باب دوم

جملہ اہلِ اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دلائل اور براہین کی مد میں جو درجہ اور رتبہ قرآن کریم پھر حدیث شریف اور پھر اجماع امت کو حاصل ہے وہ اور کسی دلیل اور برہان کو ہرگز حاصل نہیں ہے، مناسب تو یہ تھا کہ ہم قرآن کریم اور حدیث کے دلائل کو مقدم کرتے مگر بامر مجبوری باب اوّل میں ہم نے اکابرین علماء امت سے معجزہ اور کرامت کی تعریف اور ان کی حقیقت اور ان سے متعلق دیگر اہم اور ضروری ابحاث عرض کی ہیں کیوں کہ ان کی تعریف کے بغیر دلائل کا پیش کرنا قبل از وقت تھا، اگر یہ مجبوری پیش نظر نہ ہوتی تو قرآن کریم اور حدیث شریف کے دلائل کا مقدم ہونا ایک بدیہی امر ہے، اب اس باب میں ہم یہ امر عرض کرتے ہیں کہ قرآن کریم اس حقیقت پر شاہد عدل ہے کہ معجزہ اور کرامت صادر کرنے میں نبی اور ولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اور نہ ان کے کسب و اختیار کا اس میں کچھ دخل ہوتا ہے بلکہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا تقاضا ہوتا ہے اور جب اس کی حکمتِ بالغہ اور مصلحت چاہتی ہے تو اس کو نبی اور ولی کے ہاتھ پر صادر فرما دیتا ہے، ولی کا کہنا ہی کیا ہے۔ نصوصِ قرآنیہ قطعیہ اس امر کو واضح ترین عبارات میں ثابت کرتی ہیں کہ بسا اوقات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ سُن کر اپنے دل میں یہ آرزو رکھتے ہوئے کہ اگر یہ معجزات صادر ہو جائیں تو اتمام حجت کے بعد شاید یہ لوگ دائرہ ایمان میں داخل ہو جائیں اس کو پسند کیا کہ

ان معجزات کا اگر صدور ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ نہ تھا کہ فرمائشی معجزات صادر کیے جائیں اس لیے وہ صادر نہیں کیے گئے نہ تو ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ مجبور تھا اور نہ اس کو کوئی پوچھ سکتا ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ط

۱۔ ایک مخصوص واقعہ کے اندر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آگ کا گلزار ہونا یہ ان کا معجزہ تھا مگر اس کے ٹھنڈا اور گلزار کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی اثر اور دخل نہ تھا بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور احسان تھا جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور صادر فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ ۰ (پ۱۷۔ الانبیاء۔ ۵) — ہم نے کہا کہ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور آرام (حضرت) ابراہیم پر۔

یعنی تکوینًا آگ کو حکم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ٹھنڈی ہو جا لیکن اس قدر ٹھنڈی نہیں کہ برودت سے تکلیف پہنچنے لگے بلکہ ایسی معتدل اور خوشگوار ٹھنڈک ہو جو جسم و جان کو سرور پہنچائے۔

قرآن کریم کی یہ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آگ کا ٹھنڈا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام تھا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی دخل نہ تھا۔ حبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ المتوفی ۶۸ھ اور حضرت ابو العالیہ ریاحیؒ (رفیعؒ بن مہران) المتوفی ۹۳ھ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

لَوْلَا اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ وَسَلٰمًا لَاَذٰى اِبْرَاهِيْمَ بَرْدُهَا (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۴) — اگر اللہ تعالیٰ وَسَلٰمًا کا حکم صادر نہ فرماتا تو آگ کی ٹھنڈک سے حضرت ابراہیمؑ کو اذیت پہنچتی۔

معلوم ہو کہ نہ تو آگ کو ٹھنڈا کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کام تھا اور نہ ٹھنڈک کو اعتدال پر قائم رکھنا ان کا کام تھا بلکہ اس کا ٹھنڈا کرنا اور اعتدال پر رہنا دونوں بحکم خدا تھے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طور پر جب منجانب اللہ نبوت اور رسالت عطا ہوئی تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیقِ رسالت کے لیے چند معجزات بھی عطا فرمائے

ایک معجزہ عصا بھی تھا چنانچہ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط (پ۲۰۔ القصص۔ ۳) — اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھن ہلاتے جیسا پتلا سانپ اُلٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر۔

پہلے لاٹھی پتلا سانپ بن جاتی اور بڑھتے بڑھتے اژدہا کی شکل اختیار کر لیتی تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (بڑا اژدھا) کے الفاظ آئے ہیں، یا طور پر پتلا سانپ اور فرعون کے پاس بڑا اژدھا ہو کر وہ لاٹھی نمودار ہوئی کچھ بھی ہو مطلب بالکل صاف اور واضح ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر معجزہ نبی کا اپنا فعل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی خوف کے مارے نہ بھاگتے، کیونکہ اگر خود ہی انہوں نے لاٹھی کا سانپ بنایا ہوتا تو اپنے فعل کی تاثیر اور اس کے نتیجے سے بخوبی واقف ہوتے اور ڈرنے اور بھاگنے کی ہرگز ضرورت پیش نہ آتی۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی زندگی کے اس پہلے موقع پر سانپ سے خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۰ (پ۱۶۔ طٰہٰ۔ رکوع ۱) — فرمایا کہ پکڑ لے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام اور فعل صرف یہی تھا کہ اس اژدھا کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کو پہلی حالت پر لاٹھی بنا دینا یہ خدا تعالیٰ کا کام تھا اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کچھ بھی دخل نہ تھا۔

عمدۃ المفسرین حافظ ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔

هٰذا برهان من الله تعالٰى لموسٰى عليه السلام ومعجزة عظيمة وخرق للعادة باهر ودلّ على انه لا يقدر على مثل هٰذا الا الله عزوجل وانه لا — یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک واضح برہان اور بڑا معجزہ اور خرقِ عادت کی ایک روشن دلیل تھی جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس جیسی انوکھی چیز پر بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی

يَأْتِي بِهِ اِلَّا نَبِيٌّ مُرْسَل — قادر نہیں ہے اور نہ نبی کے بغیر کسی اور کے ہاتھ پر

(جلد ۳۔ صـ۱۴۴) — یہ چیز صادر ہو سکتی ہے۔

یہ عبارت بھی اس امر کی واشگاف دلیل ہے کہ معجزہ پر اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی قادر نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیگر متعدد معجزات بیان کیے گئے مگر ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے مثلاً فرمایا کہ۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ (پ۱۔ البقرة۔ ۶) — اور جب ہم نے پھاڑ دیا تمہاری وجہ سے دریا کو پھر ہم نے بچایا تم کو اور ڈبو دیا ہم نے فرعونیوں کو۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو ستر آدمی طور پر گئے تھے اور جب ان کی نادانی کی وجہ سے ان کو بجلی نے آلیا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں آتا ہے کہ۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (پ۱۔ بقرہ۔ ۶) — پھر ہم نے تم کو زندہ کیا تمہاری موت کے بعد تاکہ تم احسان مانو۔

اور قرآن کریم ہی میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا اور التجا کی تو اللہ تعالےٰ نے ان کو پھر دوبارہ زندہ کیا اور نیز ارشاد ربانی ہے کہ

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (پ۱۔ بقرہ۔ ۶) — اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور نازل کیا ہم نے تم پر مَنّ و سلوےٰ۔

اسی طرح فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ الآية (پ۹۔ اعراف رکوع ۱۶) میں ارسال طوفان وغیرہ کی (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشہور نو معجزات تھے) نسبت اللہ تعالےٰ نے صرف اپنی ہی طرف کی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ جملہ خوارق عادات امور محض اللہ تعالےٰ کے افعال تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

۳۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس کی تصریح کی ہے۔ کہ

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (پارہ نمبر ۲۲، سورۂ سبا، رکوع نمبر ۲) — اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو تم حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اور اڑتے پرندوں کو بھی ہم نے یہ حکم دیا اور ہم نے اُن کے لیے لوہا موم کر دیا۔

اس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے کہ پہاڑوں اور اسی طرح اڑتے جانوروں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح وغیرہ پڑھنے پر مسخر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کا حکم تکوینی تھا وعلیٰ ہذا القیاس حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہا موم کرنا بھی صرف اللہ تعالیٰ کا کام تھا جیسا کہ لفظ وَاَلَنَّا لَهُ اس کی واضح دلیل ہے۔

۴۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ۔

واسلنا له عين القطر ومن الجن من يعمل بين يديه باذن ربه (پ۲۲۔ سبا۔ ع۲) — اور بہا دیا ہم نے اس کے لیے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے تھے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے۔

اور جب ہوا کو ان کے لیے مسخر کیا گیا تو اس معجزہ کا ذکر یوں آتا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ۔ (پ۲۳۔ ص۔ ۳) — ہم نے حضرت سلیمانؑ کے لیے ہوا کو تابع کر دیا

یہ واضح امر ہے کہ یہ تمام امور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیّن معجزات تھے۔ اور ان کے ہاتھ پر صادر ہوتے تھے مگر ان تمام میں اصل فعل کی حقیقی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ تمام ہمارے افعال تھے جو ہم نے ان کے ہاتھ پر صادر کیے تھے۔

۵۔ بنی اسرائیل کی ایک قوم کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ موت سے ڈر کر کہیں بھاگ نکلی تھی۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ (پ۲۔ بقرہ۔ ۳۲) — سو فرمایا ان کو اللہ تعالیٰ نے مر جاؤ پس وہ مر گئے پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا۔

یہ لوگ کئی ہزار تھے (چار یا آٹھ یا چالیس ہزار کما هو مروی عن ابن عباسؓ) مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے حقیقی وفات دینے کے بعد پھر زندہ کیا۔

حافظ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ۔

فلما کان بعد دھر مرّ بھم نبي من انبیاء بني اسرائیل یقال له خرقیل، فسأل الله ان یحییھم علیٰ یدیه فاجابه الیٰ ذلك الخ (تفسیر جلد ۱ صفحہ ۲۹۸)	جب اُن پر کافی زمانہ گذر گیا تو اُن پر بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت خرقیل علیہ السلام کا گذر ہوا انہوں نے اللہ تعالےٰ سے ان لوگوں کی حیات کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ان کو زندہ کر دیا۔

۶ ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات ایک ایک کر کے گنائے ہیں مگر ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ سارے کام انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے کئے تھے باختیار خود کچھ بھی نہیں کیا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ۔ (پ۷ ۔ مائدہ ۔ ع ۱۵)	اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندہ کی صورت میرے حکم سے پھر تو پھونک مارتا تھا اس میں تو ہو جاتا تھا اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا تو مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب تو نکال کھڑا کرتا تھا (زندہ کر کے) مردوں کو میرے حکم سے۔

لفظ بِاِذْنِیْ (اور دوسرے مقام پر بِاِذْنِ اللہِ) بار بار محض اس لیے دُھرایا گیا ہے کہ اگرچہ ان معجزات کا صدور تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا تھا مگر ان کا ان میں کسب اور اختیار کچھ نہ تھا بلکہ یہ محض اللہ تعالےٰ کے افعال تھے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ پر صادر ہوئے تھے مؤلف نورِ ہدایت "معجزات عیسٰی علیہ السلام کو ان کے اختیاری اور کسبی افعال اور مافوق الاسباب امور کہتے ہوئے لکھتے ہیں "کہ عیسٰی علیہ السلام کو اُمور تکوینیہ میں اتنا تصرف و اختیار حاصل تھا کہ آپ کے درِ دولت سے اندھوں کو آنکھیں اور بیماروں کو شفا نصیب ہوتی تھی اور وہ بھی مافوق الاسباب کے طور پر بغیر کسی دوا و علاج ظاہری کے" (صفحہ ۵۹، ۶۰) اور آگے حضرت عیسٰیؑ علیہ السلام کے ان معجزات میں کسب و اختیار کو بزعم خود

ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خصوصیت ہی کیا ہے؟ اِن کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ "حالانکہ مٹی سے مختلف شکلیں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے قصد و اختیار سے بنا لیتے ہیں کوئی بات سوچ کر کرنی چاہیئے" (صفحہ ۶۰، ۶۱) مگر
... ہے کہ مؤلف مذکور کو معجزہ کی حقیقت ہی معلوم نہیں اور خود انہوں نے سوچ کر بات ہی
... کی کہ وہ ایک غیر اختیاری اور فی الجملہ غیر طبعی اسباب سے وابستہ فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا
جیسا کہ ہم مفصل عرض کر چکے ہیں۔ مٹی کی شکلیں کمہار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بناتے تو
... مگر لاکھ مرتبہ بھی ان میں اگر یہ پھونکیں ماریں تو ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ ان میں جان نہیں
ڈالتا کیونکہ ایسا کرنا باوجودیکہ یہ قدرت اللہ تعالےٰ کے تحت داخل ہے لیکن عام سنت اللہ کے خلاف ہے مگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ نے مٹی کی بے جان مورتیوں میں جان ڈالی تھی بس یہی فرق ہے نہ یہ کہ ان میں جان ڈالنا ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اختیار سے تھا جیسا کہ مؤلف نورِ ہدایت نے از روئے جہالت یہ سمجھا ہے۔ کیا ہی خوب کہا گیا ہے کہ ؎

ہر پھونکنے والے کو مسیحا نہیں کہتے

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے جب اُن سے نزولِ مائدہ کی درخواست کی تو اس کی صراحت ہے کہ حواریوں کا عقیدہ بھی صرف یہی تھا (گو ان کی تعبیر قدرے غلط تھی) کہ اس کا نازل کرنا محض اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ اور اگر یہ فعل عیسٰی علیہ السلام کے بس میں ہوتا تو ان کی منہ مانگی مراد وہ خود پوری کر دیتے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا ہاتھ بھی کسی اور قادر و مقتدر ہستی کے آگے پھیلا ہوا ہے اور وہ یوں التجا اور درخواست کر رہے ہیں کہ۔

اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ عِیْدًا لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۔ (پ۷ ۔ مائدہ ۔ ۵)	اے اللہ رب ہمارے نازل کر ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ عید اور خوشی رہے ہمارے پہلے اور پچھلوں کے واسطے اور نشانی ہو تیری طرف سے ۔

اِن تمام مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ پر یہ تمام حسّی معجزات یقیناً صادر ہوئے تھے مگر ان میں ان کا کوئی دخل و اختیار نہ تھا اور معجزات

ہیں اہل السنت والجماعت کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کسب قصد اور اختیار ہونا بھی نہیں ہے کَمَا مَرَّ مُفَصَّلًا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ لکھنا کہ "عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۶) اور معجزہ طیر کے بارے میں مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ "بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے اور مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی جیسے سامری کا گئوسالہ" (ازالۃ الاوہام کلاں ص۱۲۳) تو یہ خالص بکواس، سفید جھوٹ، صریح افتراء اور محض بہتان ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

۷۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پر چار پرندوں کے زندہ ہو کر اُن کے بلانے پر اُن کے پاس آنے کا ذکر موجود ہے اور اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے سو سال تک مردہ رہنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں آتا ہے جو اس امر کی واضح اور صریح دلیل ہے کہ معجزات انبیاء کرام کے اپنے کسب و اختیار سے سرزد نہیں ہوتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ اُن کو صادر فرماتا ہے وہ صادر ہوتے ہیں۔ اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔

۸۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے کہ بے شمار انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے کافر اور مشرک قوموں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں کوئی معجزہ کوئی آیت کوئی نشانی اور کوئی سلطان و سند بتلاؤ اور دکھلاؤ تو اس کا جواب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یوں دیا ہے کہ۔

وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ۱۳۔ ابراھیم۔۲)	اور ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم تمہیں سند اور معجزہ لاکر دیں مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے۔

کس طرح صاف طور پر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام نے اپنی پوزیشن واضح کر دی ہے کہ تمہاری یہ فرمائش پوری کرنا اور معجزات لاکر تمہیں دکھانا ہمارے قبضہ میں نہیں ہے اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے معجزات کو تو جب اللہ تعالیٰ چاہے گا صادر فرمائے گا ہم تو احکام کی تبلیغ کرنے آئے ہیں اور ماننے والوں کو جنت کی بشارت سناتے اور انکار کرنے والوں

کو عذاب جہنم سے ڈراتے ہیں اور دُنیا کے عذاب سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ یہ کفر و شرک کی آندھیاں بُرا نتیجہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں ؎

ہواؤں کا رُخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آ رہا ہے
نگاہ رکھنا سفینہ والو اٹھی ہیں موجیں کدھر سے پہلے

یہ اور اس قسم کے بیشمار دلائل قرآن کریم میں موجود ہیں جو اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ معجزہ حق ہے مگر یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے نبی کا اس فعل کے اندر کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۹۔ ایک موقع پر مشرکین مکّہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کسی مخصوص اور فرمائشی معجزہ کا مطالبہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ان کو یوں جواب ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (پ۷۔ انعام۔۱۳)	آپ ان سے کہدیں کہ نشانیاں (اور معجزات) تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ معجزہ نبی کے بس میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جب اور جس طرح وہ چاہتا ہے نبی کے ہاتھ پر اس کو صادر کر دیتا ہے۔

۱۰۔ مشرکین مکہ نے تعنّت اور عناد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے چند فرمائشی معجزات طلب کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان مشرکین کے اصل الفاظ میں نقل کر کے اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ پاک سے یوں دلوایا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ	اور وہ بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ
لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ	جاری کر دے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ۔ یا ہو
لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ	جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ	تو اس کے بیچ نہریں چلا کر۔ یا گرا دے تو آسمان ہم پر
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا	جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آ اللہ کو اور
اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝	فرشتوں کو سامنے۔ یا ہو جائے تیرے لیے ایک

أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝

گھر سنہرا یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں۔ آپ کہہ دیں سبحان اللہ میں تو نہیں ہوں مگر بشر رسول۔

(پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ۱۰)

قاضی بیضاویؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا كسائر الناس رسولًا كسائر الرسل فكانوا يأتون قومهم الا بما يظهره الله عليهم ما يلائم حال قومهم ولم يكن امر الآيات اليهم ولا لهم ان يتحكموا على الله حتى يتخيّروا۔

(بیضاوی جلد ص)

"نہیں ہوں میں مگر بشر رسول" کا یہ مطلب ہے کہ میں دیگر انسانوں کی طرح ایک انسان اور دیگر رسول کی طرح ایک رسول ہوں اور وہ نبی اپنی قوم کے پاس صرف وہی نشانیاں ظاہر فرماتے تھے جو اللہ تعالےٰ ان کے ہاتھ پر صادر فرماتا تھا جو ان کی قوم کے حال کے مناسب ہوتی تھیں اور انبیاء کے بس میں یہ نہ تھا کہ وہ معجزات صادر کرسکیں اور نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ان کا کوئی فیصلہ نافذ تھا کہ وہ اس میں اپنے اختیار سے کام لیتے۔

اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ۔

اے سبحانه وتعالى وتقدس ان يتقدم احد بين يديه في امر من امور سلطانه وملكوته بل هو الفعال لما يشاء ان شاء اجابكم الى ما سألتم وان شاء لم يجبكم وما انا الا رسول اليكم ابلغكم رسالات ربي وانصح لكم وقد فعلت ذلك وامركم فيما سألتم الى الله عزوجل (جلد ۳ ص ۶۴)

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا اور پاک ہے کہ کوئی اس کے آگے اس کی بادشاہی اور اس کے اختیارات میں دم مار سکے بلکہ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے یہ مطالبات پورے کردے اور اگر چاہے تو نہ پورے کرے میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتا اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں سو میں کر چکا ہوں باقی جو مطالبات تم کرتے ہو ان میں میرا کچھ دخل نہیں) وہ تو صرف اللہ کے بس میں ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ اِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

كسائر الرسل ولم يكونوا يأتون بآية الا باذن الله۔ (جلالین ص ۲۳۸)

یعنی ہیں تو دیگر رسولوں کی مانند ایک رسول ہوں اور وہ بھی کوئی نشانی اور معجزہ بغیر اذنِ خداوندی نہیں لایا کرتے تھے میں بھی نہیں لاسکتا۔

اس مضمون سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار اور بس میں یہ ہوتا کہ وہ معجزات کو ظاہر کرسکتے تو اس سے بڑھ کر مناسب موقع اور کیا ہوسکتا تھا جس میں مشرکین نے ازروئے تعنت وعناد اور ازروئے فرمائش وامتحان آپ سے یہ معجزات طلب کئے تھے اور آپ کے دل میں مخلوقِ خدا کی خیر خواہی اور ان کے ایمان لانے کی جو حرص تھی وہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ارشاد ہوا کہ آپ صاف لفظوں میں یہ فرمادیں کہ جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ بشر و آدمی تھے کسی پیغمبر کو خدائی اختیارات اور کائنات کے اندر تصرفات حاصل نہیں تھے نہ ان کی یہ شان تھی کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائش کرتے، ان کا تو صرف یہ کام تھا کہ جو حق تعالےٰ کی طرف سے ملا وہ انہوں نے بلاکم وکاست پہنچا دیا اور اپنے ہر ایک کام کو خدائے واحد کے سپرد کردیا سو میں بھی اپنا فریضہ رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائشی نشان اور معجزات دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی قدرت اور حکمت بالغہ پر محول ہیں۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ (محمد بن عمر المتوفی ۶۰۶ھ) یہ ثابت کرکے کہ نبوت صرف قوت نظری اور عملی کے کمال کا نام ہے اور معجزہ وغیرہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے لکھتے ہیں کہ:۔

ومن جملة الآيات الدالة على صحة ما ذكرناه انه تعالى لما حكى عن

اور منجملہ ان دلائل کے جن سے ہمارے دعویٰ مذکور کی صحت ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ

الکفار انہم طلبوا منہ المعجزات القاهرة فی قوله تعالیٰ وقالوا لن نومن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ہ ثم انہ تعالیٰ قال قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا ہ یعنی کون الشخص انسانا موصوفا بالرسالة معناه كونه كاملاً فی قوته النظریة والعملية وقادرا علی معالجة الناقصین فی هاتین القوتین ولیس یلزم من حصول هذه الصفة کونه قادرا علی الاحوال التی طلبتموها منه (مطالب عالیہ للامام الرازیؒ الماخوذ من الکلام ج ۲ صـ ۳۵، ۲۰۶ مولانا شبلی نعمانی)

نے کافروں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم زمین میں سے ہمارے لیے چشمہ نہ نکال دو۔ وغیرہ وغیرہ تو اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ان سے کہدو کہ سبحان اللہ میں تو صرف آدمی اور پیغمبر ہوں یعنی کسی شخص اور آدمی کا پیغمبر ہونا صرف اس پر موقوف ہے کہ وہ قوتِ نظری وعملی میں کامل ہو اور ناقصوں کو کامل کر سکتا ہو اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ ان باتوں پر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو (یعنی یہ مذکورہ خوارق عادات اور معجزات)

حضرت امام رازیؒ کی یہ عبارت اس امر پر نص صریح ہے کہ خوارق عادات اور معجزات پر نبی کو قدرت حاصل نہیں ہوتی اور نہ معجزات کا نبوت کے ساتھ کوئی عقلی تلازم ہے خود امام رازیؒ تفسیر کبیر سورۂ عنکبوت کی اس آیت وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ولیس من شرط الرسالة المعجزة کہ رسالت اور نبوت کے لیے معجزہ شرط نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل امام غزالیؒ کی منقذ من الضلال اور امام راغب اصبہانیؒ المتوفی ۵۰۲ھ کی کتاب الذریعة صفحہ ۷۰ اور شرح مواقف صفحہ ۶۶۹ وحجة البالغہ جلد ا صـ ۸۵ اور علم کلام کی مستند کتاب معارف شرح الصحائف میں ملاحظہ کیجیے کہ معجزہ کی دلالت رسالت پر محض عقلی نہیں بلکہ دلالت عادیہ ہے اور معجزات نبوت کی علامات سے ہیں اور ہم نے جو علامہ ابن خلدون کی عبارت پہلے باب میں معجزہ کے سلسلہ میں

پیش کی ہے وہ بھی ملحوظ خاطر رہے)

مؤلف نورِ ہدایت کی ڈبل علمی خیانت

مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں حضرت امام رازیؒ کی المباحث المشرقیہ ج ۲ صـ ۵۲۳ کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کر کے اس کا یوں ترجمہ کیا ہے "اور نبی کا تیسرا خاصہ یہ ہے کہ ان کی ذات اس عالم کے مادہ میں متصرف ہو پس بدل دیں عصا (لاٹھی) کو سانپ سے اور پانی کو خون سے اور اندھے اور کوڑھی کو شفا دیں وغیر ذٰلک معجزات سے یعنی اللہ کے نبی کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اس بے جان لکڑی کو سانپ اور پانی کو خون بنا دیں اور اس قسم کے تصرفات انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ بلفظہ (نور ہدایت صـ ۳۵)

اصل بات یہ ہے کہ فلاسفہ ابالسہ اور حکما سفہاء کے نبوت اور رسالت کے بارے میں چند باطل اور غلط نظریات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کی ذات اور نفس مقدس کو اس عالم میں تصرف حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عالم میں خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ امام رازیؒ نے فلاسفہ اور حکماء کے یہ غلط اور باطل نظریات ایک ایک کر کے نقل کیے ہیں اور پھر ان کے جوابات دیے ہیں متکلمین کا یہ مسلک ہرگز نہیں ہے کہ ذات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مادۂ عالم میں متصرف ہے حاشا وکلاّ۔ مؤلف مذکور کو کسی ماہر فن اور کامل استاد سے المباحث المشرقیة پڑھنی چاہیئے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے۔ کہ حضرت امام رازیؒ نے یہ کس کا مسلک اور مذہب لکھا اور پھر اس کی کس انداز سے تردید کی ہے اور غیرے مؤلف نور ہدایت کیا سمجھے ہیں۔ اور دوسروں کو غلط الزام دینے کے بجائے پہلے ذرا اپنی ننھی آنکھ کا شہتیر دیکھیں کہ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اور فلاسفہ کے اس غلط نظریہ کو علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمہ صـ ۹۴ میں بھی نقل کیا ہے جس کا بقدر ضرورت اقتباس ہم نے پہلے باب میں نقل کر دیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور مواقف وشرح مواقف (طبع نولکشور صـ ۶۶۳ تا صـ ۶۶۵) میں حکماء کے یہ غلط نظریات نقل کر کے تفصیلی جوابات دیے ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ نبی کے خواص میں سے ایک یہ امر بھی

ہے کہ ان سے خارق عادت افعال صادر ہوتے ہیں کیونکہ عالمِ عناصر کا مادہ ان کا مطیع اور منقاد ہوتا ہے الخ (دیکھئے مواقف مع شرح صفحہ ۶۶۴) پھر اُس کا رد کر کے اس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں۔ مگر حیرت اور تعجب ہے مؤلف نورِ ہدایت کی خیانت یا جہالت پر کہ وہ کس طرح ایک حقیقتِ ثابتہ پر پردہ ڈال رہے ہیں؛ فالی اللہ المشتکیٰ۔ ع

ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

۱۱۔ کفار کا یہ مطالبہ تھا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو اُن کے ساتھ ہمیشہ کوئی ایسا نشان اور معجزہ رہنا چاہیئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم چونکہ تمام دنیا کی ہدایت پر انتہائی حریص تھے شاید آپکے دلِ مبارک نے چاہا ہو گا کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ اس لیے حق تعالےٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ آپ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہیں۔ تکوینی مصالح اس کو ہرگز مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ اللہ تعالےٰ کو اس پر بھی قدرت تھی، کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے توسط کے بغیر اور نشانوں اور معجزات کے سوا شروع ہی سے سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دیتا۔ مگر جب خدا تعالیٰ کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیتِ الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین یا آسمان سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی اور مجبور کن معجزہ نکال کر دکھلاوے۔ خدا تعالےٰ کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی اُمید رکھنا نادانوں کا کام ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ	اور (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ پر گراں
فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ	ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر آپ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ
اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ	نکالیں کوئی سُرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں
وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى	پھر لاویں آپ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو لے آئیں)
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝	اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی
(پ ۷۔ الانعام۔ رکوع ۴)	راہ پر سو مت ہوں آپ نادانوں میں۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ۔

فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ مِمَّا اقترحوا	پھر لے آویں آپ ان کے پاس کوئی معجزہ جو انہوں
فافعل المعنى انك لا تستطيع ذلك فاصبر	نے طلب کیا ہے تو لے آیئے مطلب یہ ہے کہ
حتى يحكم الله۔	بیشک آپ معجزہ لانے کی طاقت نہیں رکھتے تو آپ
(جلالین صفحہ ۱۱۴)	صبر ہی کیجیے حتےٰ کہ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر کرے۔

یہ مضمون بھی اس اَمر کی بیّن دلیل ہے کہ معجزہ لانا نبی کے بس میں نہیں ہوتا۔

۱۲۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک بہت بڑا حسّی اور اہم معجزہ ذکر فرمایا ہے۔ جس پر متواتر درجہ کی حدیثیں اور امت کا اجماع بھی موجود ہے اور وہ اسراء اور معراج کا معجزہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا	پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندہ کو راتوں
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الآیۃ	رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

(پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۱۔)

اور مسجد اقصیٰ سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اس کا کچھ ذکر سورۃ النجم میں ہے اور باقی پُوری تفصیل متواتر قسم کی حدیثوں اور امت کے اتفاق و اجماع سے ثابت ہے۔ اس مضمون میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی صراحت فرما دی ہے کہ اسراء و معراج اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک بیّن اور روشن معجزہ تھا مگر آپ نے اپنے اختیار اور کسب سے اسراء کا سفر نہیں کیا بلکہ جب آپ کو لے جانے والی ذات اس سفر پر لے گئی تو آپ تشریف لے گئے اور اسی ہی لیے اسریٰ کا جملہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ راتوں رات لے گیا تو آپ گئے نہ تو آپ بذاتِ خود گئے اور نہ ایسے عجیب فعل پر اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی اور کو قدرت ہی حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ۔

يمجد تعالىٰ نفسه ويعظم شانه	اللہ تعالیٰ اپنی پاکیزگی کا بیان کرتا اور اپنی عظمت

لقدرتہ علی ما لایقدر علیہ احد فلا الٰہ غیرہ ولا ربّ سواہ اَلَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی محمدًا صلّی اللہ علیہ وسلّم لَیْلًا ای فی جنح اللیل مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وھو مسجد مکّۃ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَھُوَ بیت المقدس اھ (تفسیر جلد ۳ - صـ۲ـ)

شان کا تذکرہ فرماتا ہے کیونکہ وہ اس چیز (یعنی اسراء ومعراج وغیرہ) پر قادر ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں ہے نہ تو اس کے علاوہ کوئی اور الٰہ و مشکل کشا ہے اور نہ ربّ و مختار ہے وہ اپنے بندہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو رات کے تاریک حصہ میں مسجد حرام سے (جو مکہ مکرمہ میں ہے) مسجد اقصےٰ تک (جو بیت المقدس میں ہے) لے گیا۔

یہ عبارت بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اسراء وغیرہ کے اس انوکھے فعل کے صادر کرنے میں بجز اللہ تعالےٰ کے اور کسی کو قدرت نہیں ہے۔ جو بدباطن اور کوڑمغز معجزات کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اپنے افعال بتاتا ہے وہ بتائے کہ ایک مسلمان ان واضح آیات کو اور ان کی روشنی میں معتبر و مستند مفسرین کرام رح کے بیّن اقوال کو کیا کرے؟

اسراء اور معراج کے بارے میں قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کے علاوہ متواتر درجہ کی حدیثیں بھی موجود ہیں اور کم و بیش پنتالیس ۴۵ صحابہ کرام رض سے مختلف الفاظ کے ساتھ معراج کا واقعہ منقول ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ضوء السراج فی تحقیق المعراج یعنی چراغ کی روشنی ملاحظہ کریں)۔

ایک طرف یہ دلائل ملاحظہ کریں اور دوسری طرف زمانہ حال کے منکر حدیث چودھری غلام احمد صاحب پرویز کا عقیدہ اور نظریہ بھی ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں کہ: اگر آج سائنس کی کوئی ایجاد اس کا امکان بھی پیدا کر دے کہ کوئی شخص روشنی کی رفتار سے مریخ یا چاند کے کروں تک پہنچ جائے اور پھر چند ثانیوں میں واپس بھی لوٹ آئے تو میں پھر بھی حضور کے معراج جسمانی کو نہیں تسلیم کروں گا اس لیے کہ میرے دعوے کی بنیاد ہی دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ جسمانی معراج سے یہ تصور کرنا لازم آتا ہے کہ خدا کسی خاص مقام پر موجود ہے

ہے اور میرے نزدیک خدا کے متعلق یہ تصوّر قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے :بلفظہٖ (معارف القرآن جلد ۲ صـ۴۴ـ) دیکھا آپ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسراء اور معراج جسمانی کا عقیدہ جو قرآن کریم، متواتر درجہ کی حدیثوں اور امت کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے پرویز صاحب اس کو تسلیم کرنے کے لیے سرے سے آمادہ ہی نہیں ہیں۔ پرویز صاحب ہی بتائیں کہ کیا قرآن کریم میں اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (یہ الگ امر ہے کہ جیسا اس کی شان کے مناسب اور لائق استوا ہے وہی ہوگا) وَاِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ اور وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وغیرہ وغیرہ آیات موجود نہیں ہیں؟ اور کیا ان سے یہ تصوّر لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ کسی مخصوص مقام میں ہے؟ یا آپ ان کے بھی منکر ہیں؟ اور اگر ان کی کوئی صحیح تاویل آپ کے ذہنِ نارسا میں موجود ہے تو معراج کے واقعہ میں آپ کو کیوں سانپ سونگ جاتا ہے؟ چلیئے اگر آپ کو معراج کا واقعہ سمجھ نہیں آتا اور آپ کا مغربیّت زدہ اور ماؤف ذہن اس کو قبول نہیں کرتا تو واقعہ اسراء جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ایک ہی رات میں پیش آیا تھا اس کو تو تسلیم کر لیتے، یا آپ کے نزدیک اس سے بھی مسجد اقصیٰ اللہ تعالےٰ کا رہائشی مکان ثابت ہوتا ہے؟ العیاذ باللہ۔ سچ کہا گیا ہے کہ خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار۔ اصل بات تو صرف اتنی ہے کہ جملہ منکرین حدیث معراج وغیرہ معجزات کے قائل نہیں ہیں۔ مگر پہلے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا خلاف عقل سمجھا جاتا تھا اس لیے ایک عرصہ تک ان کی طرف سے یہ دلیل پیش ہوتی رہی۔ مگر آج جب کہ سائنس کی نئی نئی ایجادات نے اس کا امکان ثابت کر دیا کہ مریخ اور چاند تک کا سفر ممکن ہے (اور کل ہی ۲۷ اگست ۱۹۵۷ء کو امریکہ نے چاند تک پہنچنے والا ایک راکٹ چھوڑا تھا یہ الگ بات ہے کہ وہ اخباری بیان کے مطابق کامیاب نہیں ہو سکا۔ مگر اس کے بعد تین مرتبہ کامیابی سے امریکہ نے چاند پر آدمی اتارے ہیں تفصیل تسکین الصدور طبع دوم صـ۶۴، ۶۵ـ میں ملاحظہ فرمائیں) تو پرویز صاحب کو معراج جسمانی کے رد کرنے کی ایک اور دلیل سوجھی مقصد صرف ایک ہے کہ معراج جسمانی ثابت نہیں ہے البتہ تعبیریں الگ الگ ہیں۔ ع

حیل فرنگیوں نے کہی جس سے نئی بات کہی ایک سے دن کہا اور دوسرے سے رات کہی

نوٹ ۔ قرآن کریم میں معجزہ کا لفظ اس خارق عادت فعل کے لیے کہیں نہیں آتا بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیۃ (نشانی ۔ جس کی جمع آیات ہے) کا استعمال کیا ہے ۔
چنانچہ ایک مقام پر یُوں ارشاد ہوتا ہے کہ ۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (پ۷ انعام ۔ ۴)

اور کافروں نے کہا اس نبی پر اُس کے ربّ کی طرف سے کیوں کوئی نشانی اور معجزہ نازل نہیں ہوا ۔

حافظ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ۔

لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ ای خارق علی مقتضی ما کانوا یریدون (ج ۲ ص ۱۳۱)

کیوں اس نبی پر منجانب اللہ کوئی نشانی نازل نہیں ہوئی جو خارق عادت ہو جیسا کہ وہ مانگتے ہیں ۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد یُوں ہے کہ ۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ٥ (پ۷ ۔ الانعام ۔ ۱)

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی (اور معجزہ) ان کے ربّ کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس سے تغافل کرتے ہیں ۔

اور حافظ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ۔

کلما اتتہم آیۃ ای دلالۃ و معجزۃ الخ (تفسیر جلد ۲ ص ۱۲۳)

یعنی جب بھی ان لوگوں کے پاس کوئی آیت یعنی نشانی اور معجزہ آتا ہے (تو یہ نہیں مانتے)

امام جلال الدین محلیؒ المتوفی ۸۶۴ھ سورۂ قمر کی اس آیت

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ٥ (پ۲۷ ۔ القمر ع ۱)

اور اگر دیکھیں وہ کوئی نشانی (اور معجزہ) تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا ۔

کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ۔

وَإِنْ يَرَوْا اے کفار قریش آیۃ معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم کانشقاق القمر یعرضوا الخ (جلالین ص ۴۴۰)

اور اگر دیکھتے ہیں یعنی کفار قریش کوئی نشانی یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ جیسے چاند کا پھٹ کر دو ٹکڑے ہونا تو اس کو ٹلا دیتے ہیں

اور اس کی تصریح موجود ہے کہ

وقد اجمع المفسرون علی ان المراد فی تلک الآیۃ ھو الانشقاق الذی کان معجزۃً من النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا الذی یقع یوم القیمۃ الخ ۔ (حاشیہ جلالین ص ۴۴۰)

جمہور مفسرین کرامؒ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ اس آیت میں لفظ آیۃً سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند کے پھٹ کر دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ مراد ہے قیامت کو جو انشقاق واقع ہو گا اس سے وہ مراد نہیں ہے ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انشقاق قمر والا معجزہ قرآن کریم، صحیح احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور ملّا محمد قاسم صاحب فرشتہ احمد نگریؒ المتوفی سنہ ۱۰۳۳ھ (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار کے اسلام کا سبب ہی یہ واقعہ شق قمر بنا تھا ۔
(دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۴۹۱ مترجم اردو)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور بے شمار حسّی معجزات عطا کئے گئے تھے وہاں آپ کا حسّی معجزہ شق قمر بھی ہے جو نص قرآنی احادیث متواترہ اور اجماع اُمّت سے ثابت ہے ۔
غلام احمد صاحب پرویز کا یہ لکھنا سراسر باطل اور نرا کفر ہے کہ نبی اکرم کو کوئی حسّی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے (معارف القرآن جلد ۴ ص ۲۵۷)

ہمارا مقصد ان حوالجات سے صرف اس قدر ہے کہ قرآن کریم میں معجزہ اور معجزات کو لفظ آیۃ اور آیات سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ معجزہ کے ظاہر کرنے میں نبی کے فعل کا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا، کہ جو معجزہ وہ چاہیں اور جس وقت چاہیں صادر کر دکھائیں ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس وقت چاہتا ہے نبی کے ہاتھ پر اس کو ظاہر کر دیتا ہے اور یہی حال اولیاء کرامؒ کی کرامات کا ہے کہ ان کے صادر کرنے میں اولیاء کرامؒ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر ہر آن ان کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کے فعل خاص کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اُن کو ظاہر فرما دیتا ہے یہ نہیں کہ کرامت میں اولیاء کرامؒ کا اپنا فعل اور کسب کار فرما ہوتا ہے جیسا کہ مؤلف نور ہدایت کا باطل نظریہ ہے ۔ قرآن کریم سے [illegible] اور مستند تفسیرں

کی روشنی میں ہم اختصاراً ایک واقعہ عرض کرتے ہیں بغور ملاحظہ کریں۔

ملکہ سبا (بلقیس) کے قیمتی اور مرصع تخت کو اٹھا لانے کا تذکرہ جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دربار والوں سے کیا تو۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۚ قف

بولا وہ جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف آنکھ پھر جب دیکھا اس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

(الآیۃ - پ۱۹ - النمل - ع ۳)

وہ شخص بنا بر قولِ راجح حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا تھا جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور کلام کی تاثیر کا واقف تھا اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں آپ کسی طرف دیکھئے قبل اس کے کہ آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو سامنے دھرا اور رکھا ہوا دیکھا تو فرمانے لگے یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے صحابی اور رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ چونکہ ولی اور علی الخصوص صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی اس کی شکر گذاری عائد ہوئی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ معجزہ کی طرح کرامت بھی فی الحقیقت خداوند کریم کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر خلافِ معمول اور خارق عادت کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ بس جس کی قدرت سے سورج ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل تھا کہ وہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں مارب سے شام پہنچا دے۔ حالانکہ تخت بلقیس کو سورج سے شاید کہ ذرہ اور پہاڑ کی نسبت بھی نہ ہو۔ امام جلال الدینؒ لکھتے ہیں کہ

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طرفك اذا نظرت به الی شئ فقال له انظر الی السماء فنظر الیها ثم رد بطرفه فوجده موضوعاً بین یدیه ففی نظره الی السماء دعا آصف بالاسم الاعظم ان یأتی اللہ به فحصل بان جری تحت الارض حتی ارتفع عند کرسی سلیمان۔

(جلالین ص۳۲۱)

یعنی میں آپ کو لا دوں گا وہ تخت اس سے قبل

کہ آپ کی طرف پھر آئے نگاہ آپ کی یعنی جب آپ کسی چیز کو دیکھیں تو آپ کی نگاہ واپس نہیں لوٹے گی کہ تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا آصف نے کہا آسمان کو دیکھئے انہوں نے نگاہ اٹھائی اور پھر نگاہ واپس کی تو تخت ان کے پاس رکھا ہوا تھا جس وقت انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو آصف نے اس وقت اسم اعظم سے دعا کی کہ یا اللہ وہ تخت لائے چنانچہ وہ قدرتِ خداوندی سے زمین کے نیچے سے چلتا ہوا حضرت سلیمان کی کرسی کے پاس آ نکلا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آصف کا لانا بایں معنی تھا کہ انہوں نے اسم اعظم کی برکت سے بارگاہ ایزدی میں التجا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس دعا کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے وہ تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے پاس لا کھڑا کیا، اور اس کرامت کے اظہار میں آصف کا صرف یہ کام تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم سے دعا کی۔ رہا تخت کو حقیقۃً سامنے لا کر رکھنا تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام تھا اور اسی کو حضرت سلیمان علیہ السلام یوں تعبیر فرماتے ہیں۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

فذکروا انه امره ان ینظر نحو الیمن التی فیها هذا العرش المطلوب ثم قام فتوضأ ودعا اللہ تعالیٰ قال مجاهد قال یاذالجلال والاکرام وقال الزهری قال یا الهنا واله کل شئ الها واحدا

مفسرین کرامؒ نے بیان کیا ہے کہ آصف نے حضرت سلیمانؑ کو یمن کی طرف جس میں وہ مطلوب تخت تھا دیکھنے کو کہا پھر آصف کھڑا ہوا اور وضو کر کے اللہ سے دعا کی حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ آصف نے ان الفاظ سے دعا کی تھی اے ذوالجلال والاکرام اور زہریؒ کہتے ہیں انہوں نے یہ کہا تھا کہ اے ہمارے الٰہ اور ہر چیز کے الٰہ

لا اله الا انت ائتنی بعرشها قال فمثل بین یدیه قال مجاهدؒ و وسعید بن جبیرؒ ومحمد بن اسحٰق و زهیر بن محمدؒ وغیرهم لما دعا الله تعالیٰ وسأله ان یأتیه بعرش بلقیس وکان فی الیمن وسلیمٰن علیه السلام ببیت المقدس غاب السریر وغاص فی الارض ثم نبع من بین سلیمان ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ ۳۶۴)

تو ہی تنہا اللہ اور مشکل کشا ہے بلقیس کا تخت ہمیں لا دے چنانچہ دیکھا تو تخت سامنے موجود تھا حضرت مجاہدؒ اور سعیدؒ بن جبیرؒ اور ابن اسحٰقؒ اور زہیرؒ بن محمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ آصف نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یہ سوال کیا کہ بلقیس کا تخت ان کو لادے اور وہ تخت ملک یمن میں تھا اور حضرت سلیمانؑ بیت المقدس میں تھے چنانچہ تخت وہاں سے غائب ہو کر زمین کے نیچے چلتا ہوا حضرت سلیمانؑ کے سامنے آموجود ہوا۔

اس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ یہ کرامت بلاشک حضرت آصفؓ کے ہاتھ پر صادر ہوئی تھی مگر تخت کا لانا اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کے سامنے اس کو حاضر کر دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام تھا اور ہم بھی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ معجزات اور کرامت بلاشبہ حق ہے اور اس کا انکار کرنا سراسر بے دینی اور نرا الحاد ہے۔ مگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ان میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ معجزہ اور کرامت کا صادر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کا فعل ہے اور بس۔

مؤلفِ نورِ ہدایت کی کوتاہ فہمی ملاحظہ ہو وہ کہتے ہیں کہ۔ آصف بن برخیا نے عرض کی کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو تخت پاس رکھا تھا اس کا نام ہے تصرف مافوق الاسباب کہ چشم زدن سے قبل اتنے بڑے بھاری تخت کا کتنے ہی دور سے آجانا اس سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ خدا کو غائبانہ حاجات میں متصرف سمجھنا عین ایمان کا تقاضا ہے نہ شرک وکفر، نیز اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ کراماتِ اولیاء کرام اختیاری بھی ہوتی ہیں کیونکہ جملہ مقدسہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ میں لاکر دیتا ہوں اس تصرف کے اختیاری و مقدور ہونے کی روشن دلیل ہے جس سے مفر ممکن نہیں اور اسی جملہ

سے ہمارا استدلال ہے۔ بلفظہٖ (نورِ ہدایت صـ ۵۶) مؤلف مذکور کو مناسب تھا کہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ کے جملہ کی اسناد کے مجازی ہونے کا سبق وہ مفسرین کرامؒ سے پڑھتے نہ یہ کہ خود مجتہد بن کر وادیٔ ضلالت میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے۔ مؤلف مذکور نے اس مقام پر متعدد غلطیاں کی ہیں۔

اوّل یہ کہ کرامت کو ولی کا اختیاری فعل کہا ہے حالانکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا۔ دوم۔ یہ کہ کرامت کو علی الاطلاق مافوق الاسباب تصرف کہا حالانکہ دیگر متکلمین عموماً اور علماء احناف بخصوصاً معجزات اور کرامات کو مطلقاً مافوق الاسباب امور تسلیم نہیں کرتے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ کی عبارتیں عرض کی جا چکی ہیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ سوم۔ یہ کہ وہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ کے جملہ کا مطلب نہیں سمجھے یا خیانت سے کام لیا ہے حافظ ابن کثیرؒ اور امام سیوطیؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسناد صرف مجازی ہے اور پہلے با حوالہ یہ بحث گذر چکی ہے کہ معجزہ اور کرامت میں نبی اور ولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ ان کے کسب اور اختیار کا اس میں کچھ اثر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ کی عبارتیں وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اور چہارم یہ کہ مؤلف مذکور یہ لکھتا ہے کہ مقبولان خدا کو غائبانہ حاجات میں متصرف سمجھنا عین ایمان کا تقاضا ہے نہ شرک وکفر۔ نہ معلوم یہ کس آیت کا ترجمہ انہوں نے کیا ہے؟ اور یہ دعوے کس آیت سے ثابت ہے؟ اور حضرت سلیمان علیہ السلام یا کسی اور نے اس موقع پر کس مقبولِ خدا کو غائبانہ حاجات میں متصرف سمجھا ہے؟ اس آیت یا قرآن کریم کی کسی اور آیت سے اس ناپاک عقیدہ کے اثبات پر ہلکا سا اشارہ بھی تو موجود نہیں ہے۔ ہمت ہے تو پیش کیجئے۔ اگر مؤلف مذکور کے ذہن میں کوئی مصنوعی آیت موجود ہو تو اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے اس کو مؤلف مذکور ہی جانیں کہ انہوں نے عالمِ خواب میں کیا کہا ہے؟ ہماری بلا سے۔ ع

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

مؤلف نورِ ہدایت تو یہ لکھتے ہیں کہ مقبولانِ خدا کو غائبانہ حاجات میں متصرف سمجھنا عین ایمان کا تقاضا ہے نہ شرک وکفر۔ مگر قرآن کریم صحیح احادیث اور تمام اہلِ اسلام اس کو شرک

اور کفر کہتے ہیں کہ غائبانہ اور مُردوں سے حاجات طلب کی جائیں۔ مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف
کی کتاب گلدستۂ توحید اور دِل کا سرور ملاحظہ کریں۔ اُن حوالجات سے مستزاد صرف تین حوالے
ہم یہاں سپردِ قلم کرتے ہیں، وہ ملاحظہ کریں۔

۱۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

واعلم ان طلب الحوائج من الموتٰی عالمًا بانہ سبب لانجاحہا کفر یجب الاحتراز عنہ تحرمہ ہذہ الکلمۃ والناس الیوم فیہا منہمکون۔ (الخیر الکثیر ص۱۰۵)

جاننا چاہیئے کہ مُردوں سے یہ جانتے ہوئے حاجتیں طلب کرنا کہ وہ حاجات کے پورا ہونے کا محض سبب ہیں خالص کفر ہے اس سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس کو یہ کلمہ (شہادت) حرام قرار دیتا ہے اور اس زمانہ میں (بکثرت) لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

غور کیجیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ مُردوں سے حاجات طلب کرنے کو (اور وہ
بھی محض ان کو سبب سمجھ کر) کفر قرار دیتے ہیں۔ مگر مؤلف نور ہدایت خیر سے اس کو عین ایمان
کا تقاضا سمجھ رہے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ نہ شرک ہے نہ کفر۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے
کہ ان کے نزدیک آخر کفر و شرک کس بلا کا نام ہے؟ حضرت حکیم الامتؒ کے نزدیک تو
اصل شرک ہی یہ ہے۔ ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الشرک اور بدور بازغہ وغیرہ
گلدستۂ توحید اور دِل کا سرور میں ہم نے ان کی بعض عبارتیں نقل کر دی ہیں، وہاں ہی ملاحظہ
کر لیں۔ باقی کسی کے توسّل سے دعا کرنا درست ہے اور عند القبر صاحبِ قبر سے یہ کہنا کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ
سے دُعا کریں یہ بات سماع الموتٰی پر موقوف ہے، قائلین سماع اس کو جائز کہتے ہیں اور منکرین ناجائز کہتے ہیں۔

۲۔ شیخ المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ کفر
شرکیہ اور باطل عقائد کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ۔

وانبیاء و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد

انبیاء اور مرسلین کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے لوازم الوہیت ثابت کرنا مثلاً علم غیب اور ہر ایک

ہر کس و ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند۔ (تفسیر عزیزی پارہ اوّل صفحہ ۵۲)

کی اور ہر جگہ فریاد سُننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا (وغیرہ وغیرہ)

اور یہی وہ عقائد ہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک باطل ہیں لیکن مؤلف نور
ہدایت کے نزدیک (جو بقولِ خود شاہ صاحب ہیں) نہ کفر ہیں اور نہ شرک بلکہ یہ عین ایمان
کا تقاضا ہے۔ ع بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

۳۔ یہی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ المتوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے
ہیں کہ۔

طلب مراد من غیر اللہ۔ مسئلہ۔ اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات
پر گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے اولیا معدوم کو پیدا کرنے یا موجود کو نابود کرنے پر قادر نہیں ہیں۔
پس پیدا کرنے نابود کرنے، رزق پہنچانے، اولاد دینے، بلا دُور کرنے، مرض سے شفا بخشنے
وغیرہ کی نسبت ان سے مدد طلب کرنا کفر ہے۔ بلفظہٖ۔ (ارشاد الطالبین ص۲۰)

غور فرمایئے کہ کیا اصولی طور پر کوئی ایسی حاجت باقی رہ جاتی ہے جو اس عبارت میں
بیان نہ ہو چکی ہو؟ مؤلف نور ہدایت کو آنکھیں کھول کر یہ عبارت پڑھنی چاہیئے کہ مقبولانِ
خدا سے حاجات طلب کرنا عین ایمان کا تقاضا ہے؟ یا کفر ہے؟

نیز حضرت قاضی صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ مسئلہ۔ وہ جو بعض جاہل لوگ
کہتے ہیں۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ یا یُوں کہ یا خواجہ شمس الدین
پانی پتی شیئاً للہ یہ جائز نہیں بلکہ شرک اور کفر ہے (ارشاد الطالبین صفحہ ۲۱) مؤلف
نور ہدایت تو خیر سے دوسروں کو کوستے ہوئے اُن پر تیر و نشتر چلاتے تھے مگر یہ علمی اور تحقیقی
نشتر مدافعانہ صورت میں ان کے قلب ماؤف ہی کو زخمی کر گیا ہے۔ کیا خوب؟

چلی تھی برچھی کس پر کسی کے آن لگی

صد افسوس ہے کہ فریق مخالف کے بعض غالی مولوی صاحبان مع اپنے حواریوں
کے بڑے ناز و نخرے اور بڑی لے سے بزعم خویش اہل حق کو سُنا سُنا کر اور چڑھا چڑھا کر بلند

بلند آواز سے مزے لے لے کر بار بار یہ شرکیہ اشعار پڑھتے رہتے ہیں ؎

امداد کن امداد کن از رنج وغم آزاد کن ۔۔۔۔ در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا ۔الخ

اور کبھی از رنج وغم کی جگہ از بند وغم آزاد کن پڑھتے ہیں اور کبھی حضرت شیخ صاحبؒ کو ہر مشکل میں دستگیر کہہ کر پکارتے اور اس عنوان سے ان سے استمداد کرتے ہیں الغرض اس کفر اور شرک کو اپنے لیے بھی تریاق سمجھتے ہیں اور عوام الناس کا بھی ایمان برباد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شرک و بدعت کی ہر قسم اور ہر نوع سے بچائے اور محفوظ رکھے ۔ آمین ثم آمین

باب سوم

اس باب میں ہم صرف چند صحیح احادیث بطور نمونہ محض اپنے اس دعوے کو مبرہن کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں کہ معجزات اور کرامات تو بلاشک حق ہیں اور ان کا انکار زندقہ اور الحاد ہے ، مگر ان کے صادر کرنے میں انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کوئی اثر اور دخل نہیں ہوتا اور لبا اوقات ان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ ہمارے ہاتھ پر کسی عجیب وغریب اور نرالی چیز کا صدور ہوگا ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی تصدیق و تکریم کے لیے کوئی خارقِ عادت چیز ان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل عموماً بلا کسی پردہ کے غسل کیا کرتے تھے ، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب غسل کرنا ہوتا تو اچھی طرح تستّر کا انتظام کرکے باپردہ ہو کر غسل کیا کرتے تھے لوگوں کے اس عمومی رواج کے خلاف یہ ایک انوکھی کارروائی تھی ۔ اس لیے بنی اسرائیل کو یہ وہم باطل پیدا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی خاص مردانہ بیماری ہے (مثلاً یہ کہ فوطے اور خصیتیں بڑے ہیں یا کوئی اور عیب ہے) چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی جیسا کہ وہ تمام باطنی و روحانی عیوب اور نقائص سے پاک وصاف ہوتے ہیں اسی طرح وہ ظاہری اور جسمانی عیوب اور نقائص سے بھی مبرّا اور منزا ہوتے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منزہ کیا

ع۱ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ وفی کثیر من الاوقات یقع ذلک اتفاقا من غیر ان یطلبہ او یشعر بہ (شرح مسلم ص۲۲۱ ج۲) یعنی کرامت لبا اوقات بغیر کسی مطالبہ اور بغیر شعور کے بھی واقع ہو جاتی ہے ۔

حضرت امام نووی علامہ قاضی عیاض وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خَلق وخُلق میں ہر قسم کے نقائص وعیوب سے منزّہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جن غیر معتبر اہلِ تاریخ نے بعض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو نقائص منسوب کئے ہیں وہ سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کے عیب ونقص سے جو لوگوں کی نگاہوں اور قلوب میں باعث تنفر ہو مبّرا اور منزہ رکھا ہے۔ شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۷)

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنہائی میں کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے اور خود غسل کرنے میں مشغول ہو گئے۔

ففرّ الحجر بثوبه فجمح موسیٰ فی اثره یقول ثوبي يا حجر ثوبي يا حجر حتی نظرت بنو اسرائیل الی موسیٰ وقالوا واللہ ما بموسیٰ من بأس واخذ ثوبه وطفق بالحجر ضربا قال ابوهريرة واللہ انه لندب بالحجر ستة او سبعة ضربًا بالحجر

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲ وجلد ۱ صفحہ ۴۸۳ ومسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

تو وہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ نکلا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے بے تحاشا دوڑتے چلے گئے اور یہ فرماتے گئے اے پتھر میرے کپڑے دے جا اے پتھر میرے کپڑے دے جا یہاں تک کہ وہ پتھر بنی اسرائیل کے مجمع کے پاس جا نکلا انہوں نے دیکھا تو کہنے لگے بخدا حضرت موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں حضرت موسیٰ نے کپڑے لیے اور پھر پتھر کو مارنا شروع کیا حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں بخدا پتھر میں اُن کے مارنے کی وجہ چھ یا سات نشان پڑے ہوئے ہیں۔

پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور اسی طرح پتھر پر ان کے مارنے سے نشانات کا پڑ جانا بھی ان کا معجزہ تھا (پتھر پر عصا کا مارنا تو ان کا کام تھا مگر اس پر نشانات کا ڈال دینا خدا تعالیٰ کا کام تھا) لیکن آپ نے دیکھا کہ یہ ان کا عجیب معجزہ ہے کہ ان کی ایک نہیں سنتا اور ان کے کپڑے لے کر بے تحاشا بھاگا جا رہا ہے، اور وہ اس کے پیچھے اپنے کپڑے لینے کے سبب بھاگتے بھی ہیں اور ثوبی یا

حجر ثوبی یا حجر کے نعرے بھی لگاتے جاتے ہیں۔ مگر یہ پتھر معجزہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول وفعل کی پروا کئے بغیر سطح ارضی پر دوڑ رہا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنا طیش اور غصہ آتا ہے کہ وہ اس پر عصائے موسیٰ سے حملہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ حتیٰ کہ اس کو کپڑے پہننے کے بعد چند جلالی ضربات لگا بھی دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں نشانات بھی پڑ جاتے ہیں۔ اگر یہ معجزہ حضرت موسیٰ ؑ کا اپنا فعل ہوتا اور اس کے صادر کرنے میں ان کا اپنا کسب اور اختیار ہوتا جیسا کہ مؤلف نور ہدایت نے از روئے جہالت معجزات کے بارے میں یہ سمجھ رکھا ہے تو حضرت موسیٰ کو یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی اور وہ نہ تو اس کے پیچھے بھاگتے اور نہ ثوبی یا حجر کے نعرے لگانے کے بعد اس پر عصا سے حملہ کر کے وَلِیَ فِیهَا مَآرِبُ اُخْرٰی کا ثبوت پیش کرتے۔

مشہور شارح حدیث حضرت امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعیؒ المتوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ۔

ان فيه معجزتين ظاهرتين لموسیٰ صلی اللہ علیه وسلم احدهما مشی الحجر بثوبه الی ملاء بنی اسرائیل والثانیة حصول الندب فی الحجر۔ (شرح مسلم صفحہ ۲۶۶ / ج ۲)

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے واضح ہیں ایک پتھر کا ان کے کپڑے لے کر بنی اسرائیل کے مجمع تک بھاگنا اور دوسرا پتھر پر نشانات کا پڑ جانا۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عالمِ اسباب میں عوام الناس کی تسلی عام زبانی دلائل سے نہ ہو سکے تو ان کی تسلی اللہ تعالیٰ دوسرے طریقہ سے بھی کرا دیا کرتا ہے جیسا کہ اس واقعہ میں بنی اسرائیل کی تسلی کرائی گئی تھی۔

رہا اس زمانہ کے بعض نام نہاد روشن خیال اور مغربیت زدہ سائنس کے دلدادہ لوگوں اور ملحدین کا یہ کہنا کہ پتھر کا بھاگنا خلاف عقل ہے۔ تو اس کتاب میں ہمیں اس بحث سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم نے "ضوء السراج فی تحقیق المعراج" یعنی "چراغ کی روشنی میں" اس کی

محققین اہلِ یورپ کے متعدد حوالجات سے تحقیق عرض کر دی ہے۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔ اور غلام احمد صاحب پرویز وغیرہ منکرین حدیث کے رد میں ہم شوق حدیث کی ترتیب دے رہے ہیں ان کا رد اس میں پیش ہوگا انشاء اللہ العزیز۔ اس کتاب میں تو صرف اس باطل اور سراسر غیر اسلامی نظریہ کی تردید کرنا مقصود ہے کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل اور کسب ہوتا ہے اور بحمد اللہ یہ حدیث اس کے لیے واضح حجت ہے اور یہ اس دورِ جہالت میں اہل بصیرت کے لیے ایک عبرت ہے مگر افسوس ہے کہ ؎

ہے نہ اہلِ بصیرت تو بے خرد چمکے
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

۲۔ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو الثانیۂ کو چک میں رہتے تھے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے تین بیٹیاں عطا فرمائی تھیں اور سات ہزار بھیڑیں تین ہزار اونٹ اور پانچسو جوڑی بیل اور پانچسو گدھے اور بہت سے نوکر چاکر مرحمت فرمائے تھے، (دیکھئے ایوب باب ۱ آیت ۱ تا ۳ وتفسیر حقانی جلد ۵ صفحہ ۱۷۲) مگر اللہ تعالےٰ نے یہ سب چیزیں ان سے اپنی ایک خاص حکمت اور مصلحت کے پیش نظر سلب کر لیں اور کم و بیش پندرہ [15] سال تک وہ جانی اور مالی تکلیف میں مبتلا رہے (دیکھئے مستدرک جلد ۲ ص ۵۸۱) اور ابن جریر کی روایت میں آتا ہے کہ وہ اٹھارہ سال تکلیف میں رہے (دیکھئے بحوالہ ابن کثیرؒ جلد ۴ ص ۳۹) پھر یکایک اللہ تعالےٰ کی رحمت بے پایاں جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ:۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔ (پ ۲۳۔ ص۔ ۴۲)

اے ایوبؑ لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا ہے نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو۔

چنانچہ انہوں نے زمین پر پاؤں مارا اور اعجازی طور پر ایک چشمہ اُبل پڑا جس سے حضرت ایوبؑ نے پانی پیا اور غسل بھی کیا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اُن کی تکالیف رفع فرما دی اور پہلے سے دُگنی اولاد (وہی دوبارہ زندگی کر دی گئی جو مکان کے نیچے دب کر مر گئی تھی یا اور دی گئی دونوں قول مفسرین نے ذکر کئے ہیں) بھی مرحمت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی

طرف سے دو بادل کے ٹکڑے آئے اور ایک ان کے گندم کے خرمن پر سونے کی ٹڈیاں برسا گیا۔ اور دوسرا ان کے جو کے خرمن پر چاندی کی ٹڈیاں برسا گیا حتیٰ کہ دونوں خرمن مالا مال ہو گئے۔ (دیکھئے مستدرک جلد ۲ ص ۵۸۳ من روایۃ انس بن مالک رضؓ مرفوعاً قال الحاکم والذہبی علیٰ شرطہما واخرج نحوہٗ ابن جریر بسندہٖ راجع ابن کثیر جلد ۴ ص ۴۰) اگر پانی کا چشمہ جاری کرنا اور اعجازی طور پر اپنی بیماری اور تکلیف کو رفع کرنا اور سونے اور چاندی کی ٹڈیاں (جو حضرت ایوب علیہ السلام کے معجزے تھے) برسانا حضرت ایوب علیہ السلام کے بس میں ہوتا تو جب ان کا دل چاہتا اس سے قبل ہی ان کو ظاہر فرما دیتے اور بارگاہ خداوندی کی طرف بار بار التجا اور زاری کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (پ ۱۷۔ الانبیاء۔ ۶)

اور ایوبؑ نے جس وقت پکارا اپنے ربؐ کو کہ مجھ پر تکلیف پڑی ہے اور تو ہے سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا

مگر بالکل عیاں ہے کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہیں صادر کر دیں بلکہ جب خداوند تعالیٰ چاہتا ہے ان کے ہاتھ پر صادر کرتا ہے ہم کو اس مقام پر بخاری وغیرہ کی وہ روایت پیش کرنا منظور ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ (اور یہ سابق بحث صرف بطور تمہید بیان ہوئی ہے)

بینا ایوب یغتسل عریانا فخرّ علیہ جراد من ذہب فجعل ایوب یحتثی فی ثوبہ فناداہ ربہ یا ایوب الم اکن اغنیتک عما تری قال بلیٰ ولکن لا غنیٰ بی عن برکتک (بخاری ج ۱ ص ۴۲ ومستدرک ج ۲ ص ۵۸۲ قال الحاکم علی شرط البخاری وقال الذہبی علیٰ شرطہما)۔

کہ حضرت ایوبؑ ننگے ہو کر غسل فرما رہے تھے کہ اُن پر سونے کی ٹڈیاں برسنا شروع ہوئیں انہوں نے اپنے کپڑے میں ان کو سمیٹنا شروع کر دیا اللہ تعالےٰ کی طرف سے ندا ہوئی کہ اے ایوبؑ کیا میں نے تجھے اس سے مستغنی نہیں کر دیا؟ فرمایا کیوں نہیں مگر اے مالک مجھے تیری برکت سے استغنا نہیں ہو سکتی۔

یعنی جب تو دینے پر آیا ہے تو میں اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کیوں نہ کروں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ ٹڈیاں برسانا حضرت ایوب علیہ السلام کا اپنا فعل اور ان کا کسب و اختیار نہ تھا۔ ورنہ اس عجلت کے ساتھ ان کو سمیٹنے کی یہ ضرورت ہرگز پیش نہ آتی جیسا کہ کسی بھی اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام مع اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کے جب ملک عراق سے ہجرت کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک ظالم اور جابر بادشاہ سے سابقہ پڑا وہ جہاں بھی کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اس کے خاوند کو قتل کر دیتا اور اس کی عورت کو اپنی خواہش نفسانی کا شکار بناتا تھا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کے حسن و جمال کا جب اس ظالم نے اپنے ملازموں کے ذریعہ سے ذکر سنا تو حضرت ابراہیمؑ کو طلب کیا اُن سے پوچھا بتاؤ یہ بی بی کون ہے؟ فرمایا میری (دینی) بہن ہے۔ جب اُس جابر اور ظالم کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اس کا خاوند نہیں تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے ارادہ کو ترک کر دیا۔ اور حضرت سارہ علیہا السلام کو طلب کر لیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ سے فرمایا کہ وہ ظالم تجھ سے یہ سوال کرے گا تو تم اس کے جواب میں کہہ دینا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ بخدا تیرے اور میرے بغیر اس سرزمین پر اور کوئی مسلمان نہیں ہے اور اس لحاظ سے تو میری دینی اور مذہبی بہن ہے۔ چنانچہ حضرت سارہؓ کو اس ظالم کے پاس پیش کر دیا گیا۔ اور اس ظالم اور بدمعاش نے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حضرت سارہؓ نے اٹھ کر وضو کیا، اور نماز میں مشغول ہو کر دست بدعا ہوئیں کہ اے بار الٰہا میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے خاوند کے بغیر کسی کی طرف نظر خاص سے کبھی دیکھا ہی نہیں، اے اللہ تو میری عزت و عصمت کو محفوظ رکھ اور اس کافر سے بچا۔ اتنے میں اس کافر کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اس کافر نے کہا میرے لیے تو اللہ سے دعا کر کہ مجھے اس عذاب سے نجات ملے۔ حضرت سارہؓ نے دعا کی اور اس کی یہ پریشانی رفع ہوئی۔ مگر اس مردود پر خواہش کا بھوت سوار تھا اُس نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی کوشش کی اور یہی ماجرا اس سے پیش آتا رہا۔

بالآخر اُس نے حضرت سارہؓ کو چھوڑ دیا اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام بطور تحفہ اور خدمت ان کو دی گئیں۔ جب حضرت سارہؓ وہاں سے واپس آئیں تو دیکھا کہ

وهو قائم يصلي فاومأ بيده مهيًا قالت رد الله كيد الكافر او الفاجر في نحره الحديث (بخاری جلد ۱ ص ۲۹۵ و ج ۱ ص ۴۷۴ ملتقطاً و مسلم ج ۲ ص ۲۶۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سارہؓ کیا گذری؟ وہ فرمانے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کا مکر اس کے سینہ (اور منہ) پر دے مارا ہے۔

حضرت امام نوویؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

وفي هذا الحديث معجزة ظاهرة لابراهيم صلى الله عليه وسلم (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۶۶)

اِس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظاہر اور روشن معجزہ ہے۔

اگر معجزہ نبی کا اپنا فعل ہو جیسا کہ باطل پرستوں نے سمجھا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے معلوم ہوتا کہ میں تو کافر و فاجر کے پاؤں زمین میں دھنسا دوں گا مجھے کیا ڈر اور خوف ہے؟ اور حضرت سارہ علیہا السلام سے یہ کیوں فرماتے کہ میں اس کو یہ کہہ آیا ہوں کہ وہ میری بہن ہے تو بھی یہی کچھ کہنا اور پھر حضرت سارہ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام دونوں اپنے اپنے مقام پر نماز میں مشغول ہو کر دست بدعا ہیں کہ اے اللہ تو اس کافر کے پنجۂ استبداد سے محفوظ رکھ اور حضرت ابراہیمؑ کو اپنی اور حضرت سارہؓ کی عزت و عصمت کے سلسلہ میں اتنی بیقراری تھی کہ نماز ہی کی حالت میں وہ حضرت سارہؓ سے ان کی سرگزشت پوچھتے ہیں؟ کہ تم پر کیا گذری؟ اور وہ یہ جواب دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کا مکر و فریب ختم کر دیا اور ہماری عزت و عصمت محفوظ رکھی ہے۔ اگر یہ معجزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنا کسب و فعل ہوتا اور ان کے علم میں ہوتا تو حضرت سارہ علیہا السلام سے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم پر کیا گذری؟ اِس ایک ہی صحیح روایت سے کئی مسائل ثابت ہو گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو کارخانہ خداوندی میں متصرف تھے اور نہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب تھے

اور نہ یہ معجزہ ان کا اپنا فعل تھا اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ضروری نہیں کہ صاحبِ معجزہ کو اس کے صدور کا وقتِ صدور علم بھی ہو۔ جیسا کہ یہ حدیث اس امر کی کھلی دلیل ہے ؎

تیرے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرارِ دیں ساقی
ہوا علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل روایت میں یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارضِ مقدسہ پر حملہ کیا اور شہر کے بالکل قریب پہنچ گئے اور ہفتہ کی رات آپہنچی، اور سورج غروب ہونے پر ہی تھا کہ انہوں نے یہ دعا کی ۔ (کیونکہ ان کی شریعت میں ہفتہ کی مکمل تاریخ میں جہاد وغیرہ جائز نہ تھا اور وقتی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ جہاد اس وقت بند نہ کیا جائے)

فقال للشمس انک مامورة وانا مامور اللهم احبسها علینا فحبست حتی فتح الله علیه الحدیث (بخاری جلد ۱ ص۴۴۰ و مسلم جلد ۲ ص۸۵ و مسند احمد ۲ ص۳۱۸ و مشکل الآثار جلد ۲ ص۱۰ والبدایة والنهایة ص۱/۳ و مشکوٰة ص۲/۲۵۲) ۔

سو انہوں نے سورج کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی (جہاد کے سلسلہ وغیرہ میں) مامور ہوں اے اللہ اس سورج کو ہمارے لیے روک دے چنانچہ سورج کو حرکت کرنے سے روک دیا گیا اور وہ علاقہ حضرت یوشع کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح کر دیا۔

حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ ۔

فقیل ردت الی ادراجها وقیل وقفت ولم ترد وقیل بطئ تحرکها وکل ذالک من معجزات النبوة (شرح مسلم ۲ ص۸۵)

یعنی کہا گیا ہے کہ سورج اپنے منازل پر رد کیا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوٹایا نہیں گیا تھا بلکہ حرکت سے روک دیا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی حرکت بہت آہستہ کر دی گئی تھی۔ کچھ بھی ہو بہرحال یہ واقعہ معجزاتِ نبوت میں سے تھا۔

اگر یہ معجزہ حضرت یوشع علیہ السلام کا اپنا ذاتی فعل اور ان کا کسب ہوتا تو اَللّٰھُمَّ

اَحْبِسْهَا عَلَيْنَا (کہ اے اللہ اس کو ہم پر تو روک دے) اور مسلم کی روایت میں یہ ہے اَللّٰھُمَّ اَحْبِسْهَا عَلَيَّ شَيْئًا (کہ اے اللہ تو اس سورج کو مجھ پر تھوڑا سا روک دے) کہنے کی مطلق ضرورت پیش نہ آتی ۔ مگر معاملہ اس سے بالکل الگ اور جدا ہے ۔ قارئین کرام! حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعدد معجزات کتبِ حدیث میں مذکور ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے ۔ اب ہم آپ کی خدمت میں جناب امام الانبیاء خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کے چند ایسے معجزات باحوالہ کتب عرض کرتے ہیں جن سے بخوبی معلوم ہو جائے گا ۔ کہ معجزہ خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اور ان کے صادر کرنے میں نبی کا کچھ دخل نہیں ہوتا ۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اسراء اور معراج کے سفر سے واپس تشریف لائے اور اس کی اطلاع ہر خاص و عام کو ہوئی تو مشرکین مکہ نے امتحاناً آپ سے بیت المقدس کی چند علامتیں دریافت کیں ۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ تھیں اور نہ میں ان کو گننے کے لیے گیا تھا اور نہ میرے اس سفر کی غرض و غایت ہی یہ تھی ۔

فکربت کربة ما کربت مثله قط قال فرفعه الله لی انظر الیه ما یسألونی عن شئ الا انبأتهم به (مسلم ص۱/۹۶ وابوعوانه ص۱/۱۳)

آپ نے فرمایا کہ میں اس موقع پر اتنا پریشان ہوا کہ اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے پیش کر دیا ۔ مجھ سے وہ جو کچھ بھی پوچھتے جاتے تھے میں دیکھ کر بتلاتا جاتا تھا ۔

اور بخاری شریف میں یوں آتا ہے کہ ۔

لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی الله لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته وانا انظر الیه (بخاری ص۱/۵۴۸ و ص۲/۶۸۴)

آپ نے فرمایا کہ جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں مقامِ حجر میں کھڑا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے روشن طور پر پیش کر دیا وہ مجھ سے جو کچھ بھی سوال کرتے جاتے تھے اسکو دیکھ دیکھ کر ان کو بتلاتا جاتا تھا ۔

بیت المقدس کا اس وقت آپ کے سامنے حسیّ یا مثالی طور پر پیش کیا جانا آپ کا واضح ترین معجزہ تھا۔ اگر یہ آپ کا اپنا فعل ہوتا اور اس میں آپ کے اپنے کسب و اختیار کا کچھ دخل ہوتا تو آپ کو اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ پریشانی بھی معمولی نہیں بلکہ ایسی کھلی اور عیاں پریشانی کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسی اور اتنی پریشانی مجھے کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ اس سے بالکل یہ معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ معجزہ نبی کا اپنا اختیاری فعل نہیں ہوتا، اور نہ ان کے اختیار کا اس میں کچھ دخل ہوتا ہے بلکہ جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اس کو صادر کر دیتا ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ آپ کے معجزات میں اس کو بھی لکھتے ہیں کہ۔

وانشقاق القمر والاخبار عن البیت المقدس الخ (شرح میزان العقائد ص۱۳۲)	چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور بیت المقدس کے حالات بتانا وغیرہ۔

۲۔ حضرت جابرؓ بن سمرۃؓ المتوفی ۵۹ھ روایت کرتے ہیں کہ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعرف حجرًا بمکۃ کان یسلّم علیّ قبل ان ابعث انی لاعرفہ الآن (مسلم ج۲ ص۲۴۵)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں مکّہ مکرّمہ میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو مجھ پر بعثت سے قبل سلام کہا کرتا تھا

حضرت امام نووی لکھتے ہیں کہ

فیہ معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم (شرح مسلم ج۲ ص۲۴۵)	اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہے۔

نور ہدایت والے کے نزدیک معجزہ کے اختیاری اور کسبی ہونے کا سوال تو بعثت کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے قبل از نبوّت معجزہ کا کیا مطلب؟ اور اس حدیث کے کسی طریق میں اس کا ذکر نہیں کہ آپ نے اس پتھر کو یہ فرمایا ہو کہ تو مجھ پر سلام کہہ۔ اور نہ بظاہر آپ ایسا فرما سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا اس لیے اس نے اس کا اظہار فرما دیا، اور ترمذی میں روایت اس طرح آتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ۔

ان بمکۃ حجرًا کان یسلّم علیّ لیالی بعثت انی لاعرفہ الآن۔ ھذا حدیث حسن غریب (ترمذی ج۲ ص۲۰۳)	مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے جس کو میں اب بھی پہچانتا ہوں وہ ان دنوں جب کہ مجھے بعثت سے سرفراز کیا گیا سلام کہا کرتا تھا۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ پتھرّ کا سلام کہنا بعثت کے ابتدائی ایام میں تھا۔ اس روایت کے پیش نظر پہلی روایت کا یہ مطلب لینا چاہیئے کہ اگرچہ نبوّت اور رسالت آپ کو مِل چکی تھی لیکن بعثت کے بالکل ابتدائی ایام تھے، اس لیے بعثت کی تشہیر اور اس کا علم عام لوگوں کو نہیں ہو سکا تھا اور اس فعل کے آپ کے ہاتھ مبارک پر ظاہر ہونے کو معجزہ کہنا بھی اس توجیہ کا مؤیّد ہے۔ ورنہ قبل از نبوّت مقام ولایت میں کرامت زیادہ مناسب ہے یا ارہاص کہا لیجئے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب المتوفی ۴۰ھ کی روایت میں اس طرح آتا ہے کہ۔

کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرجنا فی بعض نواحیھا فما استقبلہ جبل ولا شجر الا وھو یقول السلام علیك یا رسول اللہ ھذا حدیث حسن غریبٌ (ترمذی ج۲ ص۲۰۳)	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا کہ ہم مکہ مکرمہ کے بعض اطراف میں نکلے کوئی پہاڑ اور کوئی درخت ایسا نہ تھا جو آپ کو دیکھ کر یہ نہ کہتا ہو کہ السلام علیك یا رسول اللہ۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تھوڑا ہی ہر پہاڑ اور درخت کو یہ فرمایا ہوگا کہ تم مجھ پر سلام کہو اور نہ کسی حدیث میں اس کا کہیں ذکر ہے اور اگر بالفرض آپ نے یہ کہا بھی ہو تب یہ بات اسی کتاب میں بادلائل عرض کر دی گئی ہے کہ معجزہ تو اللہ تعالےٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔ آپ کے ارشاد کے باوجود بھی معجزہ آپ کا فعل نہیں ہو سکتا۔ بہرحال وہ خدا تعالےٰ ہی کا فعل ہوگا۔ اگرچہ بعض بعض احادیث میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر یوں ہو جائے تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ لوگوں نے کہا ہاں، اِس کے بعد آپ کے ہاتھ پر وہ چیز صادر ہو گئی۔ یا کہیں اِس کا ذکر آتا ہے کہ آپ نے کھجور کے گچھے کو اشارہ کیا تو وہ آپ کے پاس آگیا پھر وہ واپس اپنے مقام پر چلا گیا (ترمذی ۲ ص۲۰۳) اسی طرح یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے

دو درختوں کو پکڑ کر اشارہ کیا تو وہ آپ کے پاس آ گئے پھر اشارہ کیا تو وہ واپس چلے گئے (مسلم ۲/۲۱۷ و مشکوٰۃ ۲/۵۳۳) یہ اور اس قسم کے تمام واقعات حق اور ثابت ہیں ان کا انکار نری بے دینی اور جہالت ہے مگر ایک منصف مزاج اور منیب کو جو ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہو یہ جاننے کے بعد کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی میں اس کے صادر کرنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ تو صرف اس کے ظہور کا ایک محل اور مظہر ہوتا ہے۔ کوئی اشکال اور الجھن پیش نہیں آتی۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک المتوفی ۹۳ھ فرماتے ہیں کہ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب الیٰ لزق جزع واتخذ والہ منبرا فخطب علیہ فحنّ الجذع حنین الناقۃ فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمسہ فسکت ھذا حدیث حسن صحیحٌ غریبٌ۔ (ترمذی ۲/۲۰۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے لوگوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنایا آپ نے اس پر خطبہ دینا شروع کیا تو کھجور کا وہ خشک تنا اس طرح بلبلایا جیسا کہ اونٹنی بلبلاتی ہو اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جیسا چھوٹا بچہ ڈسکورے لے کر بلبلا رہا ہو) آپ منبر سے اترے اور اس کو تھپکی دی تو وہ خاموش ہو گیا۔

اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اس جذع کا رونا اور بلبلانا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا مگر اس فعل میں آپ کا کوئی دخل نہ تھا۔ جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔

امام علامہ ابو منصور عبد القاہر بغدادیؒ المتوفی ۴۲۹ھ لکھتے ہیں۔ کہ ہم مستفیض اور متواتر احادیث کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد معجزات کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہونا سنگریزوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنا وحنین الجذع لما فارقہ اور اسی طرح خشک تنہ کا رونا اور بلبلانا جب کہ آپ نے اس کو ترک کر دیا تھا، اور تھوڑے طعام کا بہت سے لوگوں کے لیے کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ من معجزاتہ (کتاب الفرق فی الفرق طبع مصر ص۳۱۳) یہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختصر مگر ایمان و ایقان میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط جماعت کے ساتھ جب ۷ھ میں خیبر فتح کیا تو زینب نامی ایک یہودی عورت نے بکری کے بازو کے گوشت میں زہر ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گوشت کھلایا ایک آدھ لقمہ آپ نے بھی اس سے کھا لیا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی وہ گوشت کھایا۔ یہاں تک کہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ بن براء بن معرور اسی زہر خورانی کی وجہ سے وفات پا گئے بلکہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے۔

وتوفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ (ابوداؤد ص۲۲۶ و مسند دارمی ص۲ و مشکوٰۃ ۲/۵۳۲ واللفظ لہا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس بکری کا (زہر آلود) گوشت کھایا تھا ان کی وفات واقع ہو گئی

ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں وتوفی بعض اصحابہ الحدیث اور مشکوٰۃ کی روایت میں وتوفی اصحابہ الخ ہے اس سے معلوم ہوا کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس زہر کی وجہ سے وفات پا گئے تھے چند لقمے کھانے کے بعد آپ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن میں سے بعض زہر کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے کھانے سے منع کر دیا (مگر جتنا پہلے کھا چکے تھے اس کا نتیجہ بھی اچھا نہ نکلا اس کے بعد آپ کو بھی تکلیف رہی جیسا کہ بخاری وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے اور بعض یا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید بھی ہو گئے) جب اس یہودی عورت نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ۔

قالت من اخبرک قال اخبرتنی ھذہ فی یدی للذراع الحدیث (ابوداؤد و دارمی و مشکوٰۃ وغیرہا)

آپ کو کس نے بتایا کہ اس گوشت میں زہر ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جو میرے ہاتھ میں بکری کا (زہر آلود) بازو ہے اس نے مجھے یہ بتایا ہے۔

گوشت کے ٹکڑے کا یہ بتلانا کہ مجھ میں زہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے مگر آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا اور نہ اس میں کوئی کسب و اختیار تھا کیونکہ اگر آپ کو زہر کا علم ہوتا اور گوشت کے ٹکڑے کو بلوانا آپ کا فعل ہوتا تو یقیناً آپ اس خبیث (زہر) کو ہرگز نہ کھاتے جبکہ آپ نے اس سے صراحت کے ساتھ منع بھی کیا ہے جیسا کہ صحیح روایات اس پر دال ہیں اور آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہرگز وہ نہ کھانے دیتے۔ کیا آپ نے عمداً اور قصداً بعض یا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زہر کھلا کر شہید کروایا العیاذ باللہ۔

اگر معجزہ آپ کا اپنا فعل ہوتا تو ایک لقمہ بھی اُٹھانے اور کھانے کی نوبت ہرگز نہ آتی۔ کیوں کہ آپ پہلے ہی اُسے بُلوا کر بعض یا بہت سی قیمتی جانیں ضائع نہ ہونے دیتے، اور نہ خود تناول فرماتے۔ حضرت ابن مسعودؓ ہی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ۔

ولقد كنا نسمع تسبيح الطعام وهو يؤكل (بخاری ص۵۰۵ ج۱ و مشکوٰۃ ص۵۳۸ ج۲ وغیرہ) — بلاشک ہم کھانے سے تسبیح سنا کرتے تھے حالانکہ وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جس رات جنوّں کے ایک وفد نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرآن کریم سُنا تو سوال یہ ہوا کہ حضورؐ کو یہ کس نے بتایا کہ جنوّں نے قرآن سنا ہے تو ابنِ مسعودؓ نے فرمایا۔

اُذنت بهم شجرة (مشکوٰۃ جلد ۲ ص۵۴۳ وقال متفق علیہ) — کہ ایک درخت نے حضور کو جناّت کے بارے میں خبر دی تھی۔

۵۔ حضرت ابُوہریرۃؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کہیں ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا جب وہ شخص تھک گیا تو وہ بیل بولا ہمیں اِس لیے تو نہیں پیدا کیا گیا کہ ہم پر سواری کی جائے۔ ہماری خلقت کی غرض و غایت تو کھیتی باڑی وغیرہ ہے، لوگوں نے کہا سبحان اللہ بیل بول رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میرا بھی اس پر ایمان ہے، اور ابُوبکرؓ و عمرؓ کا بھی اس پر ایمان ہے (کہ جب قادرِ مطلق بیل کو قوتِ گویائی عطا کرے تو وہ بول سکتا ہے) اسی طرح حدیث میں بھیڑیے کے بولنے اور لوگوں کے اس پر تعجب کرنے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسی ارشاد کا کہ میرا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اس پر ایمان ہے صراحت سے ذکر ہے۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات اس موقع پر موجود نہ تھے (مگر چونکہ ان دونوں کا مزاج مزاجِ نبوّت کا پرتو تھا اس لیے آپ نے ان کے کامل اور مکمل ایمان پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا اس پر ایمان ہے (مشکوٰۃ ص۵۵۹ ج۲ وقال متفق علیہ)

یہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بیّن معجزہ ہے مگر نہ تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلّم نے بیل اور بھیڑیے کو بلوایا اور نہ یہ کہ آپ کا فعل تھا بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل تھا جو آپ کی تصدیق کے لیے ظاہر کیا گیا تھا۔ حضرات ہمارا مقصد تمام دلائل اور معجزات کی احادیث کا استیعاب نہیں ہے۔ ہم نے تو بطور نمونہ صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ یہ بالکل ثابت ہو گیا ہے صرف ایک واقعہ اور عرض کرتے ہیں۔ دیکھئے جنگ کے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مٹھی کنکریاں کفار کے لشکر کی طرف پھینکیں اور تین دفعہ فرمایا شاهت الوجوه (کہ کافروں کے چہرے قبیح و ملعون ہو جائیں) خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر سے مسلمانوں نے دھاوا بول دیا۔ بالآخر بہت سے کافر کھیت رہے۔ اس موقع پر ارشاد ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (پ۹ - الانفال - ۲) — اور آپ نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی۔ لیکن اللہ نے پھینکی۔

اگرچہ ظاہری طور پر یہ مٹھی خاک اور کنکریوں کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھینکی تھی مگر کسی بشر کا یہ فعل عادتاً نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں دُور و نزدیک آگے اور پیچھے ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں اور تھا یہ اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ مگر یہ فعل صرف خدا تعالےٰ کا تھا اور اسی لیے جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بس اور اختیار میں نہ تھی اور جس میں آپ کی قدرت اور کسب کا کوئی دخل نہ تھا اس کی صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نفی فرما دی ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ۔

اے هو الذی بلّغ ذلك اليهم وكبتهم بها لا انت (ابن کثیر جلد ۲ ص۲۹۵) — یعنی وہ تو صرف اللہ ہی کی ذات تھی جس نے یہ ریزے ان کافروں تک پہنچائے اور ان کی وجہ سے ان کو ذلیل کر دیا یہ چیز آپ کے اختیار میں نہ تھی۔

اِس آیت سے جن جاہلوں اور نادانوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو

خدا ثابت کرنے کی نامعقول دلیل پیش کی ہے ان کو اس آیت کا ابتدائی حصہ پڑھ کر صحابہ کرامؓ کو بھی خدا تسلیم کر لینا چاہیئے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۔	سو تم نے ان کافروں کو نہیں مارا۔ لیکن اللہ نے ان کو مارا۔

حالانکہ بظاہر ان متکبر اور سرکش کافروں کو صحابہ کرامؓ ہی نے قتل کیا تھا۔

مگر مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں تم بے سروسامان اور قلیل التعداد تھے تم میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ تم سے محض اپنے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے سنڈ مارے جاتے یہ تو خدا کی قدرت کا بیّن کرشمہ تھا کہ اس نے ان صنادید قریش کو موت کے گھاٹ اتارا اور فی النار والسقر کر دیا اور ان کی فانی زندگی کی تعبیر سامنے آگئی ؎

ظلمتِ شب ہی نہیں صبح کی تنویر بھی ہے
زندگی خواب بھی ہے خواب کی تعبیر بھی ہے

جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات حق ہیں مگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ان کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اسی طرح اولیاء کرامؒ کے کرامات بھی حق ہیں لیکن ان کے صادر کرنے میں بھی اولیاء عظامؒ کا کوئی کسب واختیار نہیں ہوتا جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے ان کے ہاتھ پر کوئی کرامت صادر کر دیتا ہے بسا اوقات ان کو علم اور شعور تک بھی نہیں ہوتا کہ یہ چیز بھی ہمارے ہاتھ پر صادر ہوگی یا ہو سکتی ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم احادیث سے عرض کرتے ہیں بنظر انصاف ملاحظہ کیجیئے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ المتوفی ۵۳ھ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ بڑے مفلوک الحال تھے۔ ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہے وہ پانچویں یا چھٹے کو ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ چنانچہ حضرت ابُوبکرؓ تین کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دسؔ آدمیوں کو ساتھ لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ان تین آدمیوں

کو گھر چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے (بظاہر آپ نے مدعو کیا ہوگا) اور شام کا کھانا وہیں کھا لیا۔ جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے اور اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی (حضرت ام رومان جن کا نام زینبؓ بنت عامر بن عویمر تھا المتوفاۃ فی خلافۃ عثمانؓ جو بنی فراس بن سلم بن مالک بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھیں اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی والدہ تھیں) نے کہا آپ اب تک کہاں تھے؟ مہمان آپ کی انتظار میں ہیں؟ فرمایا تم نے ان کو ابھی تک کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں آپ کے بغیر مہمان کھانا کھانے پر آمادہ ہی نہ تھے حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آیا اور فرمانے لگے بخدا میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ان کی اہلیہ کو بھی طیش آیا تو وہ بولیں بخدا میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ مہمان بولے کہ ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس فعل سے پچھتا کر فرمایا یہ قسم اُٹھانے کا تو شیطانی کام ہم سے صادر ہو گیا۔ لاؤ کھانا چنانچہ حضرت ابُوبکرؓ نے بھی وہ کھانا کھایا اور ان مہمانوں نے بھی کھایا (بعد کو اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا) اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فجعلوا لا یرفعون لقمۃ الا ربت من اسفلہا اکثر منہا فقال لامرأتہ یا اخت بنی فراس ماھذا قالت وقرۃ عینی انہا الآن لا کثر منہا قبل ذٰلک بثلاث مرار الحدیث (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۵ وقال متفق علیہ)	جس وقت انہوں نے وہ طعام کھانا شروع کیا تو جب وہ ایک لقمہ اٹھاتے تو اس کے نیچے سے اور زیادہ ظاہر ہو جاتا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے قبیلہ بنی فراس کی بہن یہ کیا ہے؟ وہ بولیں اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ بڑھ گیا ہے۔

اس کھانے کا بڑھ جانا حضرت ابوبکرؓ کی کرامت تھی۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ وغیرہ نے یہ روایت باب الکرامات میں پیش کی ہے۔ مگر کرامت ایسی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو علم تک نہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور جبھی تو وہ اپنی اہلیہ محترمہ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور وہ جواب دیتی ہیں کہ یہ کھانا پہلے سے تین گنا ہو گیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ معلوم ہوا کہ کرامت ولی کے ہاتھ پر تو صادر ہوتی ہے مگر اس کے اختیار اور کسب

کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور نہ کرامت اس کا فعل ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت اُسیدؓ بن حضیر المتوفی ۲۰ھ اور حضرت عبادؓ بن بشر (المتوفی شہیداً یوم الیمامۃ ۱۲ھ) اپنے کسی خاص کام کی وجہ سے ایک تاریک و سیاہ رات میں بہت دیر تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باتیں کرتے رہے جب واپس گھروں کو جانے لگے۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی لاٹھیاں تھیں، یک بیک ایک کی لاٹھی روشن ہوگئی، اس کی روشنی میں وہ چلتے رہے جہاں سے انہوں نے الگ ہوکر اپنے اپنے گھروں کو جانا تھا وہاں سے دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی حتیٰ کہ دونوں اپنے گھروں تک پہنچ گئے (بخاری ص ۵۳۷ ج ۱ و مشکوٰۃ ص ۵۴۴ ج ۲)

یہ ان دونوں کی کرامت ہے مگر شاید کہ اس کے ظہور سے پہلے ان کے وہم میں بھی یہ بات نہ ہو کہ ہماری چھڑیاں اور لاٹھیاں اس طرح منوّر اور روشن ہو جائیں گی۔ اور ہم اس طریقہ سے اپنے اپنے گھر تک پہنچ جائیں گے جب نظر بظاہر علم نہیں تو کسب و اختیار کہاں سے حاصل ہوگا؟ اس سے ملتی جلتی ایک روایت حضرت قتادہ رضؓ بن النعمان رضؓ المتوفی ۲۳ھ کے حالات میں بھی صحیح سند سے مروی ہے (مسند احمد جلد ۳ ص ۶۵ و خزائن الاسرار ص ۵۸)

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضؓ المتوفی ســ ھ ملک روم میں اپنے اسلامی لشکر سے کٹ گئے اور پھر راستہ بھول گئے اپنے لشکر کو تلاش ہی کر رہے تھے کہ اچانک ایک ببر شیر نمودار ہوا حضرت سفینہ رضؓ نے فرمایا کہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں شیر اپنی دم ہلاتا ہوا ان کے قریب آیا، اور ان کو لے کر محفوظ طریقہ پر لشکر اسلامی کی طرف روانہ ہوگیا۔ جہاں راستہ میں کوئی آواز آتی اور خطرہ محسوس ہوتا تو شیر سینہ تان کر سفینہ رضؓ کی حفاظت کرتا۔ حتیٰ کہ ان کو لشکر میں جا ملایا اور خود شیر واپس ہوگیا۔ (رواہ فی شرح السنۃ مشکوٰۃ ص ۵۴۵ ج ۲ والحاکم فی المستدرک ص ۶۰۶ ج ۲۔ وقال الحاکم والذہبی علی شرط مسلم) اور مستدرک کی روایت میں یوں آتا ہے۔

فاقبل الیَّ یرید لی فقلت یا ابا

حضرت سفینہ رضؓ فرماتے ہیں کہ وہ شیر میری طرف

الحارث انا مولیٰ رسول اللہ صلّی اللہ عَلیہ وسلّم فطأطأ راسہ الحدیث۔ ص ۶۰۶ ج ۲)

بُرے ارادہ سے متوجہ ہوا تو میں نے کہا اے شیر میں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا غلام ہوں شیر نے فوراً سر جھکا لیا۔

یہ حدیث محدثین کرامؒ نے باب الکرامات میں ذکر کی ہے (دیکھئے مشکوٰۃ وغیرہ) مگر ظاہر ہے کہ جنگلی اور ببر شیر کا یوں سر جھکا کر تابع ہو جانا اور پھر حضرت سفینہ رضؓ کی پوری حفاظت کرتے ہوئے ان کو اسلامی لشکر میں جا پہنچانا اس میں حضرت سفینہ رضؓ کا کوئی دخل نہ تھا یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کا خاص فضل تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سفینہ رضؓ کے لیے ظاہر فرمایا۔

ملاحظہ کیجئے ایک وہ وقت تھا کہ جنگل کے شیر بھی مسلمانوں کی خدمت بجا لاتے تھے کیونکہ وہ مسلمان خدا تعالیٰ کے سامنے جھکنے کو اپنا دین اور ایمان اور مقصد زندگی سمجھتے تھے مگر آج جب مسلمان غیر کے سامنے جھک گیا ہے تو انسان بھی اس کے سامنے جھکنے پر آمادہ نہیں ہیں ؎

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
جب جُھکا تو غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

۴۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر رضؓ المتوفی ۷۳ھ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں میں سے کسی امت کے تین آدمیوں کا ذکر فرمایا جس کا نہایت اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص والدین کا بہت ہی زیادہ فرمانبردار تھا حتیٰ کہ اپنی صلبی معصوم اولاد پر بھی والدین کو ترجیح دیتا تھا۔ دوسرا اپنی چچازاد بہن پر عاشق ہی نہیں بلکہ نرا فریفتہ تھا چنانچہ اس نے اس لڑکی کے اشارہ سے سَو اشرفی کہیں سے مہیا کی اور دل کے ارمان نکالنے کے لیے اس عورت سے بغل گیر ہونے لگا کہ اس عورت نے کہا خدا کا خوف کر اور میری عصمت دری مت کر، اس شخص پر خوف طاری ہوا تو وہ اپنے اس فعلِ بد سے بالکل باز آگیا تیسرے نے ایک آدمی کو اپنا مزدور اور اجیر بنایا۔ اجرت میں چند سیر مونجی طے کی (یا بعض روایات کے پیش نظر باجرہ) مگر کسی نامعلوم وجہ سے مزدور ناراض ہوگیا اور اس نے اپنی اجرت نہ لی۔ مستاجر نے

اس کو زمین میں بو دیا۔ پیداوار بڑھی۔ پھر دوسری فصل پر اُس نے بو دیا حتیٰ کہ اس سے بڑی آمدنی ہوئی اور جب کسی وقت مزدور آیا تو مستاجر نے وہ اصل اور اس سے حاصل شدہ سب مزدوری اجیر کے حوالہ کر دی۔ پھر کسی موقعہ پر یہ تینوں سفر کر رہے تھے کہ زور کی بارش آگئی وہ تینوں مجبور ہو کر کسی پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ اللہ کی شان اس غار کے مُنہ پر ایک وزنی چٹان پھسل کر آ دھمکی اور ان کے نکلنے کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا، اِن تینوں میں سے ہر ایک نے اپنی سابقہ نیکیوں کو بطور توسل بالاعمال کے پیش کر کے بارگاہ ایزدی میں ان الفاظ سے دُعا کی کہ۔

اَللّٰھم فان کنت تعلم	اے بار الٰہا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف
انی قد فعلت ذٰلک ابتغاءَ	تیری رضا کے لیے کیا ہے تو تو اس چٹان کو اپنی جگہ سے
وجھك فافرج لنا منھا	کچھ سرکا دے تاکہ بیرونی دنیا اور ایک روایت میں ہے
ففرج لھم فرجة الحدیث	کہ آسمان کو ہم دیکھ سکیں، چنانچہ اللہ نے اُن کے لیے
(بخاری ص۳۸۳ ج۲ و ص۲۹۴ ج۱)	اس پتھر کو اپنی جگہ سے کچھ ہٹا دیا۔

اِس طرح دوسرے اور تیسرے نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان اُس غار کے دہانہ سے بالکل ہی ہٹا دی اور وہ نکل کر اپنے اپنے گھروں کو پہنچے۔

اور مسلم کی روایت میں یوں آتا ہے کہ۔

ففرج اللہ منھا فرجة الحدیث	پس اللہ تعالیٰ نے اس کو تھوڑے ہٹا دیا۔
(مسلم ص۳۵۳ ج۲)	

امام نووی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

وفیه اثبات کرامات الاولیاء وھو مذھب	اِس روایت میں اولیاء کرام رح کی کرامات کا اثبات
اھل الحق (شرح مسلم ۲ ص۳۵۳)	ہے اور یہی اہل حق کا مذہب ہے۔

یہ روایت بھی اس امر کی واشگاف دلیل ہے کہ کرامت ولی کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کو ولی کے ہاتھ پر صادر کرے۔ ولی کا کام تو صرف بارگاہ خداوندی میں عاجزی اور زاری کرنا ہے۔ دینا یا نہ دینا محض اسی کا کام ہے اور

اس میں اس کا کوئی بھی کسی حیثیت سے شریک نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام صفات میں منفرد ہے ہدایت دینا یا گمراہ کرنا صرف اسی کا کام ہے ؎

اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

کرامات اولیاء کرام رح کے اثبات پر متعدد احادیث اور آثار اور عبارات علماء امت موجود ہیں مگر ہمارا مقصد دلائل کا استقصاء و استیعاب نہیں ہے بلکہ محض اپنے دعویٰ کو مبرہن کرنا ہے لہٰذا سر دست انہی حوالجات پر اکتفا کی جاتی ہے اور بطور تائید صرف حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کا ایک حوالہ عرض کیا جاتا ہے حضرت شاہ صاحب رح تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وکرامات الاولیاء وھم المؤمنون	اولیاء کرام رح کے کرامات حق ہیں اور وہ اولیاء ایسے
العارفون باللہ تعالیٰ وصفاته المحسنون	مومن ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو بخوبی
فی ایمانھم حق یکرم اللہ بھا	جانتے ہیں اور ان کو ایمان میں اخلاص کا درجہ حاصل
من یشاء ویختص برحمته من	ہوتا ہے ان کرامات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں
یشاء۔	سے جس کو چاہتا ہے عزت و تکریم بخشتا ہے اور اپنی
(تفہیمات الٰہیہ ص۱۴۲ ج۱)	رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب رح یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کرامات اللہ تعالیٰ کے افعال ہوتے ہیں وہ اپنے مومن بندوں میں سے جس کو چاہے ان کو تکریم و شرف عطا فرماتا ہے ان کا اپنا کچھ دخل ان میں نہیں ہوتا۔ ایک منصف مزاج اور حق کے متلاشی کے لیے یہ دلائل بالکل کافی ہیں ہاں البتہ جس نے آنکھیں بند کر لی ہوں تو اس کے لیے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہیں ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے   اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن کریم حدیث شریف اور دین اسلام کی صحیح معنی میں سمجھ صرف اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو توحید و سنت کا دلدادہ اور شرک و بدعت سے متنفر ہو ورنہ اس کو وحی الٰہی کے معانی سمجھنا کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے برابر ہے چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رح

تحریر فرماتے ہیں۔

قال فی البرھان اعلم انہ لایحصل للناظر فہم معانی الوحی ولایظہرلہ اسرارہ وفی قلبہ بدعۃ اوکبراو ھوی اوحب الدنیا او وھو مصر علی ذنب اوغیر متحقق بالایمان اوضعیف التحقیق او یعتمد علی قول مفسرٍ لیس عندہ علم اوراجع الی معقولہ وھذہ کلّھا حجب و موانع بعضھا اکدمن بعض۔

برہان میں کہاہے کہ جاننا چاہیئے کہ کسی ناظر کو وحی آلہی کے معانی سمجھ میں نہیں آسکتے اور نہ اُسکے اسرار اور بھید اس پہ ظاہر ہوسکتے ہیں جبکہ اس کے دل میں بدعت یا تکبر یا خواہش یا دنیا کی محبت موجود ہو یا وہ کسی گناہ پہ مُصر ہو یا ایمان اس کا پختہ نہ ہو یا تحقیق کرنے میں کمزور ہو یا کسی ایسے مفسر کے قول پہ وہ اعتماد کرتا ہو جس کے پاس علم (صحیح) نہیں یا وہ اپنی عقلی دلیل پہ اعتبار کرتا ہے اور یہ سب کے سب پردے اور موانع ہیں فہم معانی سے بعض ان سے زیادہ مضبوط ہیں بعض سے

(تفسیر اتقان جلد ۲ ص۱۸۱ طبع مصر)

اور غیر سے یہ تمام روحانی بیماریاں اہلِ بدعت حضرات میں علیٰ وجہ الاتم موجود ہیں پھر بھلا وحی الٰہی (عام اس سے کہ وہ متلو ہو یا غیر متلو جلی ہو یا خفی) ان کے تاریک قلوب میں جاگزیں ہو تو کیسے؟ اور اگر وہ سب بیماریاں چھوڑ دیں تو پھر حلاوت ایمان کا نہ مٹنے والا اثر بھی وہ دیکھ لیں کہ ان کو بھی اہلِ توحید اور اہل السنت والجماعت کی طرح قرآن وسنت کی صحیح چاشنی کس طرح نصیب ہوتی ہے اور کس طرح اس روحانی بارش سے ان کے مُردہ دلوں کی خشک زمین اور اجڑی ہوئی بستیاں کس طرح یادِ آلہی سے سرسبز و شاداب اور آباد اور منوّر ہوتی ہیں اور محبت آلہی اور عشق نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) کس طرح جوش مارتا ہوا بدن کے ایک ایک عضو بلکہ ایک ایک رونگٹے سے نمودار ہوتا ہے اور پھر اس مقام پہ خوف خوف نہیں رہتا اور غمی غمی نہیں رہتی بلکہ محبوب کی رضا سب پہ مقدم اور سب سے لذیذ تر ہوتی ہے اور اسی مقام پہ احَد احَد کے نعرے لگانے لطف کرتے ہیں اور ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اور صعوبت اور رنج کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے اگرچہ وہ ہزاروں آفتوں اور

اور سینکڑوں پریشانیوں میں اُلجھا ہوا اور اس کی کیفیّت یہ ہوتی ہے کہ۔

چاروں طرف سے کانٹوں میں گھرا ہوا ہے پھول
پھر بھی کھِلا ہوا ہے عجب خوش مزاج ہے

باب چہارم

دیگر کتب سماوی نے عموماً اور قرآن کریم نے خصوصاً توحید باری تعالیٰ کے اثبات اور شرک کی تردید پر جتنا زور دیا ہے اتنا زور اور کسی مسئلہ پر نہیں دیا اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر جناب امام الانبیاء خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اولین سبق اور درس یہی ہوتا تھا کہ۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ط	اے میری قوم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

توحید کامل کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خدا تعالےٰ کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفات و افعال میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔ پیدا کرنا زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب اور حاضر ناظر ہونا دور و نزدیک سے یکساں تعلق رکھنا، اور جہان کے اندر تدبیر و تصرف کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام صفات ہر حیثیت سے صرف خدا تعالےٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسلام کے سوا اور مذاہب والے اوتاروں۔ ولیوں۔ شہیدوں اور پیغمبروں میں بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ ملائکہ اور جنّات اور اسی طرح احبار و رہبان کی پرستش کرنے والوں کا قرآن کریم نے بصراحت تذکرہ کیا ہے اور یہی ان کی توحید کا نقص ہے اگرچہ صد افسوس ہے کہ بہت سے برائے نام مسلمان اصلاح کا پردہ رکھ کر اور اہل السنت والجماعت کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر ان مخصوص صفات خداوندی کو اوروں میں بھی ماننے لگے ہیں۔ مگر اسلام نے تو توحید کے کمال کے لیے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات توحید فی العبادت اور توحید

فی التدبیر والتصرف وغیرہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اقرار و اعتراف کا دل پر جو روحانی اور اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ اطاعت
کا دل پر جو روحانی اور اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ اطاعت
انقیاد خشوع۔ استقلال۔ توکل اور اخلاص کی حالت صرف اس وقت دل پر طاری ہو سکتی ہے جب یہ یقین کامل ہو کہ ہماری تمام حاجتوں۔ تمام ضرورتوں۔ تمام امیدوں تمام اغراض و مقاصد اور تمام خواہشوں کا صرف ایک ہی مرکز و محور ہے کسی ایک شخص میں بھی استقلال، آزادی۔ دلیری اور بے نیازی کے اوصاف توحید کامل اور خالص کے بغیر ہرگز پیدا نہیں ہو سکتے جو شخص ایک کے سوا اوروں کو بھی حاجت روا مشکل کشا۔ فریادرس اور متصرف فی الامور مانتا ہے تو اس کا سر اور ضمیر ہر آستانہ پر جھک جانے کے لیے تیار رہتا ہے اور اس کی جبین نیاز ہر چوکھٹ پر خم ہونے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتی ہے، اور وہ دوسروں کو بھی قبلۂ حاجات اور مافوق الاسباب طریق پر مدبر اور متصرف مان کر ان سے مرادیں مانگتا ہے بخلاف موحد کامل کے کہ وہ زبان حال اور قال سے صرف یہی کہتا ہے کہ ؎

دنیا ہے اپنے ہاتھ سے لے بے نیاز ہے
کیوں مانگتا پھرے ہے تیرا سائل جگہ جگہ

کائنات کا مدبر اور اس میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہ مسئلہ صرف ایک مسئلہ ہی نہیں بلکہ ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ کائنات کے اندر تصرف اور تدبیر کرنے والا صرف اکیلا خداوند عزیز ہے نہ تو اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم ہے اور نہ مشیر اور وزیر ہے وہ ہر لحاظ سے اس میں متفرد ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ	آپ ان سے پوچھئے کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان
أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ	اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا ؟
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ	اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ
مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ	کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی سو وہ

اللّٰہُ، فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ہ فَذٰلِکُمُ
اللّٰہُ رَبُّکُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا
الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ہ
(پارہ ۱۱۔ سورہ یونس ۴)

بول اٹھیں گے کہ اللہ تعالےٰ تو آپ فرمائیں کہ پھر
تم ڈرتے نہیں ہو۔ سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا
پھر کیا رہ گیا سچ کے بعد بجز گمراہی کے۔ سو تم کہاں سے
لوٹے جاتے ہو۔

یہ قطعی مضمون اس امر پر شاہد عدل ہے کہ مشرکین کو بھی اس کا اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرمایا کہ جب تم حقیقی اور اصلی خالق، مالک، متصرف اور تمام عالم کا مدبر اُسی کو مانتے ہو تو پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا دوسروں کو معبود و متصرف اور مدبر کائنات بناؤ، ان صفات کا اہل اور مستحق تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو خالق کل مالک الملک مدبر کائنات رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہے۔ اس کا اقرار کر کے پھر تم کہاں اُلٹے پاؤں واپس جاتے ہو پھر جب سچا وہی ہے تو سچ کے بعد جھوٹ کے بغیر اور کیا رہ جاتا ہے؟ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام اور محض خیالی اور ہوائی قلعوں میں پناہ ڈھونڈھنا عاقل کا نہیں بلکہ غافل کا کام ہے۔ عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیرؒ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

ای من بیدہ ملکوت کل شیءٍ
وھو یجیر ولا یجار علیہ وھو
المتصرف الحاکم الذی لا معقب
لحکمہ (تفسیر جلد ۲ صفحہ ۴۱۶)

یعنی وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کے اختیارات
ہیں اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں
سکتا اور وہی متصرف اور حاکم ہے جس کا فیصلہ
ٹالا نہیں جا سکتا۔

اور ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ

انہ مالک الضر والنفع وانہ المتصرف
فی خلقہ بما یشاء اھ
(ابن کثیر جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۶)

وہی ضرر اور نفع کا مالک ہے۔ اور وہی اپنی
مخلوق میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

اور اوائل سورۃ احقاف میں لکھتے ہیں کہ۔

ان الملک والتصرف کلہ اللہ عزوجل
فکیف تعبدون معہ غیرہ وتشرکون بہ؟
(تفسیر ج ۴ صفحہ ۱۵۳)

یعنی سب ملک اور تصرف تو صرف اللہ تعالےٰ
ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے پھر تم اوروں کو
اس کے ساتھ معبود و شریک کیسے قرار دیتے ہو؟

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

وکل ذلک بفعل فاعل وتدبیر
مدبر وھو اللہ عز وجل
(فتوح الغیب ۱۵ مقالہ ۱۰)

اور یہ سب کچھ ایک فاعل اور ایک مدبر کی تدبیر کا
نتیجہ ہے اور وہ فاعل و مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اس کے ترجمہ اور تشریح میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

ہمہ احوال خلق بفعل فاعلے وبتدبیر تدبیر کنندہ
است وتدبیر پایان کار نگریستن وآں فاعل
ومدبر خدا است۔
(ترجمہ حضرت شیخؒ صہ ۵۰)

مخلوق کے تمام احوال ایک فاعل اور مدبر کی تدبیر سے
وابستہ ہیں، اور تدبیر کا مطلب کام کو اپنی نگرانی میں سر انجام
دینا ہے اور وہ فاعل اور مدبر صرف خدا تعالےٰ ہے۔
(محصلہ)

امام عبد الوہاب شعرانیؒ شیخ الصوفیہ ابوبکر بن عربیؒ (المتوفی ۶۲۸ھ) سے ان کی عبارت اور الفاظ میں ان کا عقیدہ یوں نقل کرتے ہیں کہ۔

انی اقول قولا جازما بقلبی ان اللہ
اللہ واحد لا ثانی لہ منزہ عن الصاحبۃ
والولد مالک لا شریک لہ ملک
لا وزیر معہ صانع لا مدبر معہ اھ
(الیواقیت والجواہر)
(جلد ۱۔ صہ ۲)

یہ تحقیق میں اپنے دل کی تہ سے پورے جزم اور
یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہی تنہا
الٰہ ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے وہ بیوی اور اولاد
سے پاک ہے وہ مالک ہے اس کا کوئی شریک
نہیں وہ بادشاہ ہے اس کا کوئی وزیر نہیں وہ
صانع ہے اس کے ساتھ کوئی مدبر نہیں ہے۔

اور دوسرے مقام پر یوں نقل کرتے ہیں کہ۔

فعال لما یرید فھو المدبر

وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی عالم ارضی

الكائنات فى عالم الارض والسموات اھ

اور سماوی کی تمام کائنات کا مدبر ہے۔

(جلد ۱ ص۵)

اور نیز لکھتے ہیں کہ۔

لاشريك له فى ملكه ولا مدبر معه (جلد ۱ - ص٦)

اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور مدبر ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

لا شريك له فى وجوب الوجود ولا فى استحقاق العبادة ولا فى الخلق والتدبير فلا يستحق العبادة اى اقصى غاية التعظيم الا هو ولا يشفى مريضا ولا يرزق رزقا ولا يكشف ضرا الا هو بمعنى ان يقول لشئ كن فيكون لا بمعنى التسبيب العادى الظاهرى كما يقال شفى الطبيب المريض ورزق الامير الجند فهذا غيره وان اشتبه فى اللفظ -

(تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص۱۴۵)

وجوبِ وجود استحقاق عبادت اور خلق وتدبیر کی صفات میں کوئی بھی خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ہے اور کوئی اعلیٰ درجہ کی تعظیم اور عبادت کا مستحق نہیں ہے اور نہ تو اس کے بغیر کوئی بیمار کو شفا دے سکتا ہے اور نہ رزق اور نہ کوئی اور تکلیف رفع کر سکتا ہے یہ سب کام صرف اسی کے ہیں جب وہ کسی چیز کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے یہ سب کام سبب عادی اور ظاہری سے ماوراء ہوتے ہیں ایسے نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی اور امیرِ لشکر نے فوج کو رزق اور روزینہ دیا (کیونکہ یہ سب کچھ عادی اور ظاہری اسباب کے تحت ہے) اور اللہ تعالیٰ کا دینا اس کے سوا ہوتا ہے۔ اگرچہ لفظ میں اشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔

دیگر مبتدعین حضرات کو عموماً اور صاحبِ "نورِ ہدایت" کو خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کے پیشِ نظر یہ بات اچھی طرح ملحوظِ خاطر رکھنی چاہیئے کہ غیر اللہ سے تدبیر و تصرف وغیرہ کی جو نفی کی جاتی ہے وہ مافوق الاسباب تصرف اور تدبیر کی نفی ہے جو ظاہری اور عادی اسباب سے بالاتر اور ماوراء ہو۔ اسی فرق کو پیشِ نظر نہ رکھنے کی وجہ سے مبتدعین ٹھوکریں کھاتے

پھرتے ہیں اور اسی واضح اور بنیادی فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کا یہ شاخسانہ ہے کہ مؤلفِ نورِ ہدایت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں اس مضمون سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (پ۲۳ - ص - ۴۳)

یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مافوق الاسباب تصرف پر استدلال کرتے ہوئے اپنے علم اور دیانت کو چار چاند لگائے ہیں اور ان کے سادہ لوح حواری بھی نہایت ہی خوش ہوں گے کہ مؤلف مذکور نے قرآن کریم کی آیت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے مافوق الاسباب تصرفات ثابت کر کے دینی خدمت سرانجام دی ہے۔ مگر یاد رہے کہ نزاع اور جھگڑا اس میں نہیں ہے کہ کیا کوئی بادشاہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ملک اور حکومت عطا فرمائی ہو (جو عادی اور ظاہری اسباب پر موقوف ہے) کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے کسی کو کچھ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور نزاع اس میں بھی نہیں ہے کہ کیا عالم اسباب اور عادی و ظاہری سبب کے تحت کسی کو مختارِ کل، مالک و متصرف مجاز کہنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بادشاہ یا مخلوق میں سے کسی کو جو کچھ دیا ہے اس میں اس کا اختیار اور تصرف چلتا ہے اور حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ کا یہ مذکور ارشاد بجا ہے مگر اس سے مؤلفِ "نورِ ہدایت" کو ایک رتی کا فائدہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ انہوں نے از روئے جہالت یہ بالکل غیر متعلق بحث درمیان میں لا کر اس سے مافوق الاسباب تصرفات پر دلیل پیش کی ہے (دیکھیئے نورِ ہدایت صفحہ ۵۷، ۵۸)

مؤلفِ نورِ ہدایت کو مافوق الاسباب تصرفات کے اثبات پر معجزات و کرامات اور اسی طرح بادشاہوں کے عطاء و منع وغیرہ سے استدلال کرنا سراسر بے سود ہے کیونکہ یہ سب کچھ غیر طبعی اسباب اور اسباب ظاہری اور مادی کے تحت ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے تصرف اور تدبیر کی جو صفت ثابت ہے وہ ہر قسم کے سبب اور سبب عادی اور ظاہری کے ماوراء ہے اور شفی الطبیب المریض ورزق الامیر الجند (کہ طبیب نے بیمار کو شفا دی اور امیرِ لشکر نے لشکر کو تنخواہ وغیرہ دی) وغیرہ یہ اسباب ظاہری

اور عادی کے تحت ہے، فرشتے اگر باذن اللہ شکم مادر میں ایک گونہ تصرف کرتے ہیں تو حق ہے مگر وہ اسباب عادی اور ظاہری کے تحت ہے اسی طرح اگر بحکم خداوندی فرشتے جان قبض کرتے ہیں تو وہ بھی اسباب عادی اور ظاہری کے تحت ہے کہ خداوند عزیز کے حکم سے عالم اسباب میں یہ سب اُمور ان سے وابستہ ہیں یہ نزاع کی بات نہیں ہے مزید تشریح مدبّرات امراً کی بحث میں آئے گی انشاء العزیز۔ الغرض صاحب علم و دیانت اور عقلمند آدمی کا یہ کام ہے کہ پہلے محل نزاع کو سمجھے پھر اس کے مطابق دلائل تلاش کرے خلط مبحث کا اہل علم و دیانت سے کیا تعلق اور نسبت ہے ؟ مگر کیا کیا جائے ۔ ع گویا کھیلنا پڑا ہے بچوں سے ہم کو

سے اللہ تعالیٰ کے افعال تو وہ اسباب پر موقوف نہیں ہیں چنانچہ حافظ ابن القیمؒ المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں کہ

فان فعله سبحانه وتعالیٰ لایتوقف علی هذه الاسباب التی ینهی العقل عن التجرد عنها فاذا اسلم لله لم یلتفت الی السبب فی کل ما غاب عنه (مدارج السالکین ص۱۴۸ ج۲ طبع مصر)

اللہ تعالیٰ کا فعل ان (ظاہری، طبعی اور عادی) اسباب پر موقوف نہیں ہے جن سے تجرد کو عقل منع کرتی ہے سو جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کر لیتا ہے تو ہر اس چیز میں جو اس سے غائب ہے اس میں سبب کی طرف التفات ہی نہیں کرتا

اور نیز لکھتے ہیں کہ

فهو المبتدئ حیث لا سبب ولا وسیلة والیه تنتهی الاسباب والوسائل الخ (طریق الهجرتین و باب السعادتین ص۲۱ طبع مصر)

وہی پروردگار ابتداءً پیدا کرتا اور دیتا ہے جہاں کوئی سبب اور کوئی وسیلہ نہیں اور اسباب و وسائل اسی تک پہنچتے ہیں۔

یہ عبارت بھی اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل اسباب پر موقوف نہیں ہے بخلاف مخلوق کے کہ وہ عالم اسباب میں اسباب کی محتاج ہے لہٰذا مافوق الاسباب اور غیبی طور پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو بھی (کائناً من کان) نافع اور ضار سمجھنا اور اس نظریہ سے اُس کو پکارنا اور اُسی کی تعریف کرنا یا طواف اور نذر و نیاز کی صورت میں اُسکی تعظیم کرنا یہ عبادت ہے اور یہ صرف معبود برحق کا خاصہ ہے ۔ نوٹ ۔ اکثر اہل بدعت مشہور محدث حافظ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ

اور حافظ ابن القیمؒ کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کرتے ہیں مگر ملّا علی القاری الحنفیؒ ان دونوں بزرگوں کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ ۔

کانا من اکابر اهل السنة والجماعة ومن اولیاء هذه الامة (جمع الوسائل ج۱ ص۲۰۸ طبع مصر)

یہ دونوں اہل السنت والجماعت کے اکابر میں اور اس امت کے اولیاء میں تھے ۔

اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے تو حافظ ابن القیمؒ کی تعریف بہت ہی قابل قدر الفاظ میں اور عقیدتمندانہ انداز میں کی ہے ۔ من الائمة الکبار فی التفسیر والحدیث والفروع الخ (بغیة الوعاة ص۲۵ طبع مصر)

حضرت ملّا علی ن القاریؒ واذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله الحدیث (جس کی پوری روایتی و درایتی بحث ہم نے "دل کا سرور" میں کر دی ہے) کی شرح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ ۔

ویعتمد فی جمیع الامور علیه ای ولا یسأل غیره لان غیره غیر قادر علی العطاء والمنع ودفع الضرر وجلب النفع فانهم لا یملکون لانفسهم نفعاً ولا ضراً ولا یملکون موتاً ولا حیاتاً ولا نشوراً ۔ (مرقاة ہامش مشکوٰۃ جلد۲ ۔ صفحہ ۱۵۹)

اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہیئے یعنی اس کے سوا کسی سے سوال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی عطا اور منع اور دفع ضرر اور جلب منفعت پر قادر نہیں ہے کیونکہ ماسوی اللہ تو اپنے نفوس کے لیے بھی نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں اور نہ موت و حیات اور دوبارہ کی زندگی ان کے اختیار میں ہے ۔

الغرض مافوق الاسباب طریق پر سوال و استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے متعلق ہے اور وہی متصرف اور مختار اور نافع و ضار اور مدبّر عالم ہے وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ علمائے عقائد نے اس کی تصریح کی ہے کہ تدبیر عالم خواص الوہیت میں سے چنانچہ کمال الدین ابن ابی شریفؒ لکھتے ہیں کہ ۔

والمراد ههنا اعتقاد عدم الشریک فی الالوهیة وخواصها کتدبیر العالم واستحقاق العبادة الخ (مسامرہ جلد ۱ ص۱۷۰ و نحوہ جلد ۱ ص۶۳)

اس مقام پر مراد یہ ہے کہ الوہیت اور اس کے خواص میں کسی کو شریک نہ قرار دیا جائے اور خواص الوہیت یہ ہیں مثلاً عالم کی تدبیر کرنا اور عبادت کا مستحق ہونا الخ ۔

ان عبارات سے صاف طور پر یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ کسی کے متعلق یہ نظریہ اور اعتقاد رکھنا کہ وہ مدبّرِ عالم ہے اس کو الٰہ بنانا ہے اور بظاہر یہی اعتقاد مؤلف "نور ہدایت" کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ اور انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بایں معنی مدبّر کہتے ہیں اور ان کے اعلیٰحضرت بھی صاف طور پر یہ فرماتے ہیں کہ ؎

ذی تصرف بھی ہے مختار بھی ماذون بھی ہے
کارِ عالم کا مدبّر بھی ہے عبد القادر (حدائق بخشش ص۲۰ ج۱)

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ المتوفی ۱۲۳۲ھ لکھتے ہیں کہ۔

وحق تعالیٰ از وزیر و مشیر مبرا و عالی است کار خود بدیگرے نہ سپرد و مستحق عبادت کسے را نساختہ۔ (فتاویٰ شاہ رفیع الدینؒ ص۱۳)	حق تعالیٰ وزیر اور مشیر سے مبرا اور بلند ہے اُس نے اپنا کام (اور تصرف) کسی دوسرے کو سپرد نہیں کیا اور نہ کسی کو مستحق عبادت قرار دیا ہے۔

یہ سب کی سب عبارات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ مافوق الاسباب طریق پر خود ہی متصرف ہے اور وہ خود ہی تمام کائنات کی تدبیر کرتا ہے نہ تو اس کا کوئی مشیر ہے اور نہ وزیر اور نہ اس نے اپنے کام کسی اور کو سپرد کیے ہیں۔ عالم اسباب کے تحت کسی کو سلطنت اور حکومت دے کر اس کو مختار اور مالک اور دولت و مال میں متصرف قرار دینا محل نزاع نہیں ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بشرطیکہ کسی کو فہم سے کچھ حصہ ملا ہو اور عدم فہم کا یہی کانٹا جب بدلتا ہے تو بہت ہی دُور جا پھینکتا ہے کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؎

ہلکے سے اختلاف سے راہیں بدل گئیں
تھوڑا سا فاصلہ تھا مگر کیا طویل تھا

جیسے متصرف اور مدبّر صرف وہی ہے اسی طرح مختارِ کُل بھی صرف وہی ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات صراحت سے بیان کی ہے کہ خالق بھی صرف وہی ہے اور تمام اشیاء و احوال کا اختیار بھی صرف اسی کو حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ	اور تیرا ربّ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور وہی مختار

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (پ۲۰ قصص)	ہے اس چیز سے جو وہ (اس کا) شریک بتلاتے ہیں۔

عمدة المفسرین حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

یخبر تعالیٰ انه المنفرد بالخلق والاختیار وانه لیس له فی ذلک منازع ولا معقب قال تعالیٰ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ای ما یشاء کان وما لم یشاء لم یکن فالامور کلها خیرها وشرها بیده ومرجعها الیه (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۳۹۷)	اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہی خلق اور اختیار میں منفرد ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی بھی منازع نہیں ہے اور نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تیرا رب ہی پیدا کرتا ہے جو چاہے اور وہی اختیار رکھتا ہے یعنی جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا غرضیکہ تمام امور اس کے ہاتھ میں ہیں عام اس سے کہ امور خیر ہوں یا شر ہوں اور تمام امور کا مرجع وہی ہے۔

اس تفسیری عبارت سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے خلق کی صفت میں منفرد ہے اسی طرح وہ مختار ہونے کی صفت میں بھی منفرد ہے تمام امور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور تمام امور کا مرجع اور منبع صرف اسی کی ذات ستودہ صفات ہے اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فیقطع ان لا فاعل علی الحقیقة الا الله ولا محرك ولا مسكن الا الله ولا خیر ولا شر ولا ضر ولا نفع ولا عطاء ولا منع ولا فتح ولا غلق ولا موت ولا حیٰوۃ ولا عز ولا ذل ولا غنی ولا	عبد مومن کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ در حقیقت اللہ کے بغیر اور کوئی فاعل نہیں ہے نہ تو کوئی حرکت دینے والا ہے اور نہ سکون اور نہ خیر ہے اور نہ شر اور نہ ضرر ہے اور نہ نفع اور نہ دینا ہے اور نہ منع کرنا اور نہ کھولنا ہے اور نہ بند کرنا اور نہ موت ہے اور نہ حیوٰۃ اور نہ عزت ہے اور نہ ذلت اور نہ غنیٰ ہے اور نہ فقر مگر یہ سب کے

فقر الابید اللہ فیصیر حینئذٍ فی القدر کالطفل الرضیع فی ید الظئر (فتوح الغیب ص۵ مقالہ ۳)

سب امور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ (توحید کامل کے) اس مقام پر پہنچکر بندہ تقدیر خداوندی کے سامنے ایسا ہو جاتا ہے جیسے شیر خوار بچہ انّا کے ہاتھ میں۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلویؒ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ۔

پس جزم میکند و بیقین و شہود در می یابد کہ نیست خالق و متصرف حقیقی در موجودات چہ افعال بندہ و جز آں مگر خدائے عز و جل اگرچہ بظاہر برعایت عام مجاز نسبت باسباب نیز میکند و نیست جنبانندہ و آرام دہندہ مگر خدا و نیست نیکی و نہ بدی و نہ زیان و نہ سود و نہ دادن و نہ نادادن و نہ کشادن و نہ بستن و نہ مردن و نہ زیستن و نہ عزت و نہ خواری و نہ تونگری و نہ درویشی مگر بقدرت خداوند عزّ و جلّ پس مے گردد بندہ در ایں ہنگام و رسیدن بایں مقام در قضا و قدر الٰہی تعالیٰ ہم چو بچہ شیر خوار در دست دایۂ شیر دہندہ کہ تدبیر و اختیار و نظر و فکر در کار ہا ندارد الخ۔ (ترجمہ حضرت شیخ رح ص۱۶)

پس وہ جزم کرتا اور یقین اور مشاہدہ کے طور پر سمجھتا ہے کہ تمام موجودات میں خواہ وہ افعال بندہ ہوں یا جز ازیں حقیقی طور پر ان کا خالق اور متصرف بغیر اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے اگرچہ بظاہر عام مجاز کے پیش نظر اسباب کی طرف بھی موجودات کی نسبت کی جاتی ہے (مگر ایں امر دیگر است) نہ تو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی حرکت دینے والا ہے اور نہ سکون اور نہ نیکی ہے اور نہ بدی اور نہ نقصان ہے اور نہ نفع اور نہ دینا ہے اور نہ روکنا اور نہ کھولنا ہے اور نہ بند کرنا اور نہ مرنا ہے نہ جینا اور نہ عزت ہے اور نہ ذلّت اور نہ تونگری ہے اور نہ درویشی مگر یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں پس بندہ اس مقام پر اور قضا و قدر کے اس مرحلہ پر پہنچکر ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ آیا کے ہاتھ میں کہ تدبیر و اختیار اور نظر و فکر کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کی اس میں قوت بالکل مفقود ہوتی ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ شیخ الصوفیہ محی الدین بن عربی رح کے عقائد بیان کرتے ہوئے آگے تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں (ہم ان کی عبارت کا لفظی ترجمہ عرض کرتے ہیں) کہ

نہ تو وجود میں کوئی طاعت اور نہ فرمانی اور نہ نفع ہے اور نہ نقصان اور نہ غلام ہے اور نہ آزاد اور نہ گرمی ہے اور نہ سردی اور نہ زندگی ہے اور نہ موت اور نہ حصول ہے اور نہ عدم حصول اور نہ دن ہے نہ رات اور نہ اعتدال ہے اور نہ کجروی اور نہ خشکی ہے نہ تری اور نہ جفت ہے اور نہ طاق اور نہ جوہر ہے نہ عرض اور نہ صحت ہے، نہ مرض اور نہ خوشی ہے اور نہ غمی اور نہ روح ہے اور نہ جسم اور نہ تاریکی ہے اور نہ اجالا اور نہ زمین ہے اور نہ آسمان اور نہ ترکیب ہے اور نہ تحلیل اور نہ زیادتی ہے اور نہ کمی اور نہ صبح ہے اور نہ شام اور نہ سفیدی ہے، اور نہ سیاہی اور نہ بیداری ہے اور نہ نیند اور نہ ظاہر ہے اور نہ باطن اور نہ متحرک ہے اور نہ ساکن اور نہ تر ہے اور نہ خشک اور نہ چھلکا ہے اور نہ مغز اور کوئی چیز متضادات اور مختلفات اور متماثلات میں سے نہیں ہے۔

الا وھو مراد للحق تعالیٰ وکیف لا یکون مرادًا لہ وھوا وجدہ فکیف یوجد المختار ما لا یرید

جو حق تعالیٰ کی مُراد نہ ہو اور کیوں اس کی مراد نہ ہو وہی تو ان جملہ امور کا موجد ہے جب وہ چاہتا ہے تو بھلا اس کے ارادہ کے بغیر یہ امور کیسے وجود میں آسکتے ہیں؟

اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ کوئی رد کر سکتا ہے وہ جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہے گمراہ کر دیتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے اور جس چیز کے ساتھ اس کی مشیت وابستہ نہیں ہوتی وہ نہیں ہو سکتی۔ اگر تمام کائنات جمع ہو کر کسی چیز کا ارادہ کرے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے متعلق نہیں ہے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی اور اگر وہ کچھ کرنا چاہے تو اس کو کوئی منع نہیں کر سکتا اور نہ یہ بات کسی کی طاقت میں ہے۔

ولا اقدرھم علیہ

اور نہ اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت ہی ان کو دی ہے پس کفر اور ایمان طاعت اور عصیان خدا تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم اور ارادہ سے وابستہ ہیں الخ (الیواقیت والجواہر جلد ۱ ص۵)

یہ تمام عبارات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ خدا تعالیٰ خود ہی مدبر خود ہی مالک اور خود

ہی متصرف اور مختار ہے تمام کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے حکم و تصرف اور اختیار میں جکڑا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ تو یہ قدرت سونپی ہے اور نہ مخلوق میں کسی کو مدبر و متصرف اور مختار ہونے کی یہ صفت حاصل ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

الغرض اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے بغیر کسی کو اس معنی کر کے متصرف اور مدبّر و مختار کہنا اس کی کھلی نافرمانی ہے اور بغاوت ہے جو کسی صورت میں اس کے اٹل اور محکم قانون کے پیش نظر قابلِ مغفرت نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ اہلِ بدعت حضرات کو اس سے کیا غرض؟ یہاں تو یہ حال ہے کہ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

توحید و اشراک کی ماہیت اور حقیقت معلوم کرنے نیز ما فوق الاسباب طریق پر متصرف اور مختارِ کل ہونے کی ٹھوس اور علمی بحث کے لیے گلدستۂ توحید اور دِل کا سرور ملاحظہ کریں۔ اس مقام پر تو صرف بطور تمہید ہم نے چند امور اور قرآن کریم کے علاوہ بزرگانِ دین رحمٰن کی بعض مجمل عبارات سے فریق مخالف اپنا کام چلاتا ہے) کے چند حوالجات عرض کر دیے ہیں تاکہ ہر متلاشی حق ٹھنڈے دِل سے اِن دلائل پر غور کر سکے مگر دیکھے گا ہر ایک اپنی ہی آنکھ سے ؎

غلطاں تھی کائنات اسی رنگ میں عدم
جس رنگ کی نگاہ پڑی کائنات پر

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کی تفسیر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم صاحبِ "نورِ ہدایت" کا یہ اصولی مغالطہ بھی نکال دیں جس کے دلدل میں وہ کچھ ایسے اُلجھ اور پھنس کر رہ گئے ہیں کہ اس سے ان کا نظر بظاہر نکلنا مشکل ہے۔ چنانچہ وہ اس سے قبل کی آیات کو بطور تمہید ذکر کر کے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

اِس وقت ہمارا اسی آیت کریمہ سے استدلال ہے کہ ملائکہ بھی امور الٰہیہ میں تدبیر فرمانے

والے ہیں اور باذن اللہ تعالیٰ عطاءِ الٰہی کے مطابق مدبّر عالم ہیں یہ آیت کریمہ ہمارے مدّعا پر قطعی الدلالت ہے اس آیت کے تحت کتب تفاسیر کبیر، خازن، معالم، جمل وغیرہا میں لکھا ہے کہ جبرئیلؑ میکائیلؑ اسرافیلؑ عزرائیل علیہم السلام امورِ الٰہیہ کو اہلِ زمین میں تدبیر اور تقسیم فرماتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام ہوا اور لشکروں پر مؤکل ہیں میکائیل علیہ السلام بارش اور روئیدگی پر مقرر عزرائیل علیہ السلام قبض ارواح پر اور اسرافیل علیہ السلام انہیں حکم پہنچانے پر تعین ہیں فرشتوں سے کچھ انسانوں کی حفاظت پر متعین ہیں تو کچھ اعمال لکھنے پر۔ کئی فرشتے خسف مسخ ہوا وغیرہا امور پر تعینات ہیں یعنی امور تکوینیہ کی تدبیر پر مؤکل ہیں۔ شیخ المحدثین مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا ملائکہ عظام مثل جبرئیل وحضرت میکائیل وحضرت اسرافیل وحضرت عزرائیل مع اعوانہم وجنودہم کہ ہریک برائے تدبیرے از امور کونیہ مقرر فرمودہ اند الخ (حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت آگے تک نقل کر کے صاحب نورِ ہدایت نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ان ملائکہ عظام کی مختلف ڈیوٹیوں کا ثبوت حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے پیش کیا ہے جیسا کہ پہلے ان کے الفاظ میں اس کا ذکر ہو بھی چکا ہے)۔ دیکھئے نورِ ہدایت ص۴۸ و ۴۹) اور پھر ص۵۱ میں وہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ اور مَنْ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ کی آیات کے پیش نظر بُختی اونٹ کی طرح موج میں آکر لکھتے ہیں کہ۔

"اِس جگہ وہابیہ کے لیے بڑی مشکل پیش آئے گی کہ یہاں فرشتوں کو مدبرِ امر کہا گیا ہے حالانکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔

یہاں پر حزب مخالف کا مافوق وتحت الاسباب والا حیلہ بھی کارگر نہیں ہو سکتا۔ الیٰ آخرہ ص۵۱ نورِ ہدایت)

الجواب:۔ مؤلف "نورِ ہدایت" کا اس آیت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے متصرف مافوق الاسباب ہونے پر استدلال کرنا (جو ان کا اصل مدعیٰ ہے) سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ اعتقادی مسائل قیاسی نہیں

ہوا کرتے تاکہ ملائکہ کے مدبر اور متصرف ہونے سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متصرف اور مدبر ہونے پر استدلال کیا جا سکے۔ اس مقام پر تو ایسی نص جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو درکار ہے اور مؤلف نور ہدایت کا اس آیت کو اپنے اس بے بنیاد دعویٰ پر پیش کرنا بالکل بے اور صحیح دلیل کا پیش کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے اور تا قیامت اس کا اثبات ان سے ممکن نہیں ہے طبع آزمائی شرط ہے۔

وثانیاً مؤلف مذکور کا اس آیت کو اپنے مدعیٰ کے لیے قطعی الثبوت دلیل کہنا علم اور دیانت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قطعی الدلالت وہ دلیل ہوتی ہے جس میں کوئی اور احتمال پیدا نہ ہو سکتا ہو بجائے اس کے کہ ہم اس پر متعدد حوالجات نقل کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جاء الحق کا حوالہ ہی عرض کر دیں جس پر مؤلف نور ہدایت وغیرہ کے درس و خطابت کے دلائل کا مدار ہے۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان صاحب فریق ثانی سے مطالبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"کہ وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنیٰ میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔ انتہیٰ بلفظہٖ (جاء الحق ص۲)

یہ عبارت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قطعی الدلالت وہ دلیل ہوتی ہے جس میں کوئی اور احتمال نہ پیدا ہو سکتا ہو اور فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کی آیت ملائکہ کے امور الٰہیہ میں متصرف اور مدبر ہونے میں ہرگز قطعی الدلالت نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں اور احتمالات بھی موجود ہیں اور صرف امکان ہی نہیں بلکہ وہ تفسیریں مفسرین کرامؒ نے کی بھی ہیں چونکہ مؤلف نور ہدایت نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر کو نقل کر کے مغالطہ آفرینی سے کام لیا ہے اس لیے ہم بھی دوسری معتمد اور مستند تفاسیر سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف حضرت شاہ صاحبؒ کی تفسیر نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں اور محض بطور تائید کے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کا ایک مختصر حوالہ بھی ساتھ ہی عرض کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔

و درین جا باید دانست کہ مفسرین را در	اور اس مقام پر جاننا چاہیے کہ مفسرین کرامؒ کا ان
تعیین ماصدق ایں صفات پنجگانہ کہ در	پانچ صفات (وَالنَّازِعَاتِ سے لے کر
مطلع ایں سورہ مذکور اند اختلاف بسیار	فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا تک) کے مصداق کی تعیین میں

است۔ بعضے بر یک چیز حمل کنند و بعضے بر چیز	جو اس سورت کی ابتداء میں وارد ہیں بہت اختلاف واقع
ہائے مناسب کہ باہم تعلق دارند و دیگر	ہوا ہے بعض ان کو ایک چیز پر حمل کرتے ہیں اور بعض دیگر
کار مصروف اند و بعضے بر چیزہائے متفرق الخ	ان کو ایسی اشیاء پر حمل کرتے ہیں جن کا باہم تعلق ہے اور وہ
(تفسیر عزیزی پارہ عم ص۲۸)	ایک کام میں مصروف ہیں اور ایک گروہ ان کو متفرق چیزوں
	پر بھی محمول کرتا ہے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ وَالنَّازِعَاتِ سے لے کر فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا تک کی پنجگانہ صفات کے تعیین میں مفسرین کرامؒ کا اتفاق نہیں ہے ایک گروہ ان کا مصداق کچھ بتلاتا ہے اور دوسرا کچھ اور اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اس کو قطعی الدلالت دلیل بنانا کس قدر شرم کی بات ہے اور کسی طرح علم و تحقیق کی روشن جبین پر بدنما داغ ہے۔

پھر آگے حضرت شاہ صاحبؒ فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کی سات تفسیریں نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی تفسیر اس آیت کریمہ کی وہ صوفیاء کرام سے یوں نقل کرتے ہیں کہ۔

کہ مراد از مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا مصنفین کتب	مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا سے کتابوں کے مصنف اور وہ
و واضعین قواعد و تاصیل کنندگان اصول و	حضرات مراد ہیں جو قواعد و اصول کی بنیاد وضع اور مقرر
تفریع کنندگان فروع (ص۲۸، ۲۹)	کر کے ان پر فروع کو محمول کرتے ہیں۔

اور تیسری تفسیر اصحاب جہاد و قتال سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ۔

و مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا پادشاہان و امیران کہ کار	مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا سے بادشاہ اور ایسے فوجی افسر
جنگ بہ حسن تدبیر و صلاح ایشاں سر انجام مے	مراد ہیں کہ جن کی عمدہ تدبیر اور اصلاح سے جنگی امور انجام
پذیرد و کوچ و مقام و حرکت و سکون بطور ایشاں	پذیر ہوتے ہیں اور ان کے حکم سے کوچ و مقام اور
می باشد (ص۲۹)	حرکت و سکون کا تحقق ہوتا ہے۔

اور چوتھی تفسیر اہل نجوم سے نقل کرتے ہوئے اس طرح ارقام فرماتے ہیں کہ۔

بسبب اختلاف اوضاعی کہ در آں حالات	کہ مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا سے ستارے مراد ہیں کہ ان
ایشاں را حاصل میشود تدبیر عالم می کنند و ہر	اختلافات اوضاع کی وجہ سے جو ان کو حاصل ہوتے

کوکب را امورے کہ متعلق باں کوکب است دخل دارد و اتصالات و انصرافات و تبدیل فصول و اوقات و معرفت کائنات سفلی و حوادث آئندہ از آنہا دریافتہ می شود (ص ۲۹)

ہیں وہ تدبیرِ عالم کرتے ہیں اور ہر ایک ستارے کا ان امور میں دخل ہوتا ہے جو اس سے متعلق ہوتے ہیں اور اتصالات و انصرافات اور تبدیل فصول اور اوقات اور کائنات سفلی اور آنے والے حوادث کی معرفت ان سے حاصل ہوتی ہے۔

اور پانچویں تفسیر وعاظ اور مذکرین سے مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کی یوں نقل کی ہے۔

دامر سوال وجواب وعذاب وتنعیم قبر را تدبیرے کنند (ص ۲۹)

کہ مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا سے وہ فرشتے مراد ہیں جو سوال وجواب اور عذاب وتنعیم قبر کی تدبیر کرتے ہیں۔

اور چھٹی وہی بیان فرمائی جو مؤلفِ نورِ ہدایت نے ص ۴۹ میں ملائکہ عظام مثل جبرئیل ؑ الخ سے نقل کی ہے اور ساتویں تفسیر بعض سے ان الفاظ کے ساتھ زیبِ قلم فرمائی ہے کہ

کہ مراد از مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا ارباب عقل وحکمت کہ در ہر باب بقوت عقل تدبیر می برآرند وحیلہ برائے کارہائے بستہ پدید می آرند (ص ۳۰)

اور بعض فرماتے ہیں کہ مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا سے اربابِ عقل وحکمت مراد ہیں کہ ہر باب میں وہ اپنی قوتِ عقل کے ساتھ تدبیر کرنے اور مشکل اور بستہ کاموں سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر وحیلہ تلاش کرتے ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ؒ اس آیت کی مختلف اور متعدد تفاسیر نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وذکر فی تاویل ھذہ الآیۃ وجوہ اُخر الخ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۸۷)

اس آیت کی تفسیر میں اور کئی توجیہات ذکر کی گئی ہیں۔

تعجب ہے کہ مؤلفِ نورِ ہدایت اس آیت کریمہ کی اتنی تفاسیر اور اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے بھی اس کو اپنے مدعیٰ پر قطعی الدلالت دلیل قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہمارے مدعا پر قطعی الدلالت ہے (نورِ ہدایت ص ۴۹) کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مؤلفِ مذکور کس طرح دیدہ دلیری کرتے ہوئے اس آیت سے ملائکہ عظام کا مدبر اور متصرف ہونا ثابت

کرتے ہیں اور اس آیت کو اپنے باطل مدعا پر صرف پیش ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو قطعی الدلالت کہتے ہیں۔ شاید کہ ان کے نزدیک یہ صحیح علمی اصطلاحات ہی کسی اور سانچے میں ڈھل چکی ہوں وثالثًا مؤلفِ مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عالمِ اسباب کے تحت مدبر اور متصرف ہونے کا مسئلہ محلِ نزاع نہیں ہے جھگڑا صرف اس امر میں ہے کہ کیا ملائکہ عظام اور انبیاء کرام اور اولیاء الرحمٰن علیہم الصلوٰۃ والسلام مافوق الاسباب طور پر مدبر اور متصرف ہیں یا نہیں؟

اس آیتِ مذکورہ میں جس تدبیر اور تصرف کا (ایک تفسیر اور احتمال کے رُو) ثبوت ملتا ہے وہ صرف عالمِ اسباب کی تدبیر ہے اس سے مافوق الاسباب تصرف اور تدبیر ہرگز مراد نہیں ہے جو مؤلفِ نورِ ہدایت کا مدعیٰ ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم مختلف کتب سے اس کے ثبوت پر حوالے عرض کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے اعلحضرت مولوی احمد رضا خان صاحب بریلی کا حوالہ ہی عرض کر دیں تاکہ اس مسئلہ پر رجسٹری ہو جائے اور مؤلفِ مذکور کو راہِ فرار میسّر نہ آسکے۔ ماننا یا نہ ماننا تو قسمت کی بات ہے اور ہدایت دینا تو صرف مالک الملک اور مدبرِ کائنات اور متصرف فی الامور کا کام ہے اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔

حوالہ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۳۵۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا بوساطت فرشتگان اور سیارگان وعقول عشرہ ہی ہو رہا ہے یا ہر آن میں بلا توسل ان سب کے خود حاکمِ حقیقی نظم ونسخ فرماتا ہے بَيِّنُوْا تُؤْجَرُوْا الجواب۔ اللہ اکبر حاکمِ حقیقی عزّ جلالہ پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے وہی اکیلا حاکم اکیلا خالق اکیلا مدبّر ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس نے عالمِ اسباب میں ملائکہ کو تدابیر امور پہ مقرر فرمایا ہے قَالَ تَعَالٰى فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا الخ بلفظہٖ (احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۶۴)

مؤلفِ "نورِ ہدایت" اپنے اعلحضرت کی اس عبارت کو بار بار اور ٹھنڈے دل

سے پڑھیں اور غور کریں کہ فرشتوں کا مدبر امر ہونا آیا مافوق الاسباب ہے جو آپ کا باطل مدعیٰ ہے؟ یا عالم اسباب میں وہ مدبر ہیں اور فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا سے خان صاحب اور اعلیٰ حضرت کے نزدیک کیا مراد ہے؟ آپ کا دعوے تو مافوق الاسباب تصرفات ثابت کرنا ہے جیسا کہ آپ کی کتاب کے نام (ہدیۃ الاحباب فی التصرفات مافوق الاسباب) سے ظاہر ہے اور اس آیت کو آپ اپنے اس مدعیٰ پر قطعی الدلالت دلیل کہتے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۸) فوا اسفاہ۔

برین عقل و دانش بباید گریست

خان صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی بالکل ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا حاکم اکیلا خالق اور اکیلا مدبر ہے اور یہ بھی مولف نور ہدایت کے سراسر خلاف ہے دیکھئے وہ کیا لب کشائی کرتے ہیں اور ملاحظہ کیجئے کہ بقول خود کس طرح میاں قطب اور مریدانِ باصفا میں خوب کشتی ہو رہی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ فتح کس کو نصیب ہوتی ہے اعلیٰحضرت کو یا مؤلف مذکور کو؟

عوام کے ہاں تو یہ بھی مشہور ہے کہ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ اب دیکھئے قسمت بڑے میاں کی یاوری کرتی ہے یا چھوٹے میاں کی۔ بہرحال مقابلہ خوب ہو رہا ہے ؎

شکست و فتح نصیبوں سے ہے لے میر

مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

قارئین کرام مشرکین اور اوثان پرست قوموں کا یہ اعتقاد ہرگز نہ تھا کہ اصنام اور اوثان ویسے ہی صفاتِ الوہیت کے ساتھ متصف ہیں جیسے واجب الوجود کی ذات مقدس بلکہ وہ ان کو صرف الٰہ حقیقی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے اور اس خیال سے انکی عبادت (امداد کیلئے پکارنا، نذر و نیاز، طواف اور سجدہ وغیرہ) کیا کرتے تھے۔ اس کی مبسوط با دلائل بحث ہم نے گلدستہ توحید میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں یہاں ہم صرف امام اہل سنّت اور محقق شمس المحدثین و امام المتکلمین حضرت سید شریف جرجانی الحنفیؒ کا حوالہ عرض کرتے ہیں جو گلدستہ میں درج نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ۔

فانهم لا یقولون بوجود الٰهین	بت پرست دو واجب الوجود الٰہوں کے قائل نہیں
واجبی الوجود ولا یصفون الاوثان	اور نہ وہ اوثان کو صفاتِ الوہیت سے متصف
بصفات الالٰهیة وان اطلقوا	مانتے ہیں اگرچہ وہ ان پر آلہہ کا اطلاق کرتے ہیں
علیه اسم الاٰلهة بل اتخذ وها	بلکہ انہوں نے تو انبیاء کرام یا نیک بندوں یا فرشتوں
علی انها تماثیل الانبیاء اوالزهاد	یا ستاروں کی تصویریں اور فوٹو بنا کر عبادت کے
اوالملائکة اوالکواکب واشتغلوا	طور پر ان کی تعظیم کرنی شروع کر دی تاکہ وہ اس طریقہ
بتعظیمها علی وجه العبادة توصلًا	سے الٰہ حقیقی تک رسائی کر سکیں۔
بها الی ما هو اِلٰه حقیقة انتهٰی	

بلفظہٖ (شرح مواقف طبع نولکشور ص۵۸۰)

دیکھا آپ نے حقیقت شرک اور ماہیت اوثان و اصنام کیا ہے؟ مگر آج یار لوگ صرف ان آیات کو بتوں پر حمل کر کے آگے حقیقت بیان کرنے سے کچھ ایسے خاموش ہو جاتے ہیں جیسے نئی دلہن سسرال کے گھر مگر ع

نہ ہر کہ روئے برافروخت دلبری داند

باب پنجم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس باب میں مؤلفِ نورِ ہدایت کی بعض تحقیقات وتدقیقات یا بالفاظِ دیگر علمی جھلکیاں بھی عرض کر دیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں ثبت فرمائی ہیں اور بعض تحقیقات کو انہوں نے بزعمِ خویش بنیادی حیثیت دے کر خالص اہل السنت والجماعت کو معتزلی اور قدری بنانے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے اور اس باب میں کوئی موضوع متعین نہیں ہو گا، بلکہ مختلف اور متفرق امور ہوں گے جن کو ہم ان سے بقدرِ ضرورت اپنی عبارت میں نقل کر کے ان کے جوابات عرض کریں گے۔ تاکہ قارئین کرام کو اصل حقیقت بخوبی معلوم ہو سکے اور فریق مخالف کی دیانت اور مبلغِ علم کا صحیح اندازہ بھی ہو جائے۔ کیونکہ اہلِ عقل کے ہاں یہ ایک مشہور امر ہے کہ ع وبضدها تتبين الاشياء۔

صریح بہتان

مؤلف "نورِ ہدایت" اپنے دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے لیے حضرت مرشدنا و مولانا حسین علی صاحبؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) پر اتہام اور بہتان تراشی کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ

چنانچہ دیوبندی جماعت کے ذمہ دار مولوی حسین علی صاحب واں بھچروی تلمیذ ارشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) و مولوی محمد مظہر نانوتویؒ (المتوفی ۱۳۰۲ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف "بلغۃ الحیران" میں اعتزال کے احیاء قدریہ کے مردہ عقیدہ کی تجدید میں اپنی قلم کو اٹھاتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ۔

كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (پ ۱۲ - رکوع اول) یہ علیحدہ جملہ ہے ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں تاکہ یہ لازم آئے کہ تمام باتیں اوّلاً کتاب مبین میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے بلکہ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں فرشتے۔

بلفظہٖ بلغۃ الحیران ص۱۵۷۔

ناظرین غور کیجیے دیوبندی جماعت کے مجدد کس بے نقابی کے ساتھ معتزلہ کی طرف سے وکالت کر رہے ہیں کیسے مذہب حقہ اہل سنت کی تردید و ابطال سے کام نہیں لیا گیا؟ ضرور کھلے لفظوں میں مصنف کتاب نے کہہ دیا کہ اس آیت کا وہ مطلب ٹھیک نہیں، جو اہل سنت وجماعت لیتے ہیں۔ بلکہ معتزلہ جو معنی کرتے ہیں وہ درست ہے الخ (بلفظہٖ نورِ ہدایت ص۱۹)

اس کے بعد مؤلف مذکور حق اور اہل حق سے ذاتی عناد اور تعصب کی وجہ سے مغلوب الغضوب ہو کر بلغۃ الحیران کی عبارت آخر تک لکھ کر اور اس کا بزعمِ خود تجزیہ کر کے نورِ ہدایت میں ص۱۴ تک اس کو اپنے سوءِ مزاج کے سبب بدمزہ بناتے چلے گئے ہیں اور تان اس پر توڑی کہ مصنف بلغۃ الحیران معتزلی ہے۔ معتزلہ کا ایجنٹ ہے اور ان کا وکیل ہے وغیرہ وغیرہ

الجواب - مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس مفروض اور ہوائی قلعہ میں محصور ہو کر علی بابا اور چالیس چور یا شیخ چلی کے خیالی پلاؤ کی کہانی وہ تازہ کر رہے ہیں وہ سراب سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور اس میں چندہ وجوہ سے کلام ہے اوّلاً اس لیے کہ بلغۃ الحیران کے ص ا و ہم پر اس کی تصریح موجود ہے۔ کہ بلغۃ الحیران حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی وہ تقریریں ہیں جو دورۂ قرآن شریف کے وقت مولانا محمد نذر شاہ صاحب عباسی اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے قلمبند کی تھیں حضرت مرحوم نے اپنی قلم سے وہ نہیں لکھیں اور نہ یہ ان کی تصنیف ہے جس میں مصنف کی پوری ذمہ داری کارفرما ہوتی ہے اور بوقتِ ضبطِ تحریر شاگردوں سے کیا کچھ غلطیاں سرزد نہیں ہو سکتیں؟ اور ان تقریروں کی ذمہ داری استاد پر کیسے عائد ہو سکتی ہے؟ اور اگر بذاتِ خود بعض تقریرات پر نظر فرمائی ہو تو اس سے یہ کیسے اور کیوں کر لازم آتا ہے کہ بالاستیعاب پوری اور مکمل کتاب پر نظر فرمائی ہو؟ مؤلفِ نورِ ہدایت کس دیانت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اپنی قلم کو اٹھاتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں؟ اور کس انصاف سے وہ حضرت

مرحوم کو مصنف کتاب کہتے ہیں؟ وثانیاً[۲] تفسیر بلغۃ الحیران کی درسی تقریروں کو قلمبند کرنے والوں میں حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب بھی شریک تھے اور ان کی طرف سے "قصرِ بدعت میں زلزلہ" کے عنوان سے عرصہ ہوا ہے ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے اور اس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ بلغۃ الحیران کی اصل عبارت اس طرح ہے۔ مگر کاتب کی غلطی سے وہ یوں لکھی گئی ہے جس سے اصل مطلب بدل گیا ہے۔ مؤلف نور ہدایت وغیرہ وہ رسالہ ملاحظہ کر لیں۔ فریق مخالف کے علم و دیانت اور تقویٰ و ورع کی داد دیجئے کہ وہ بعض تلامذہ کی لکھی ہوئی تقریروں کا مصنف حضرت مرحوم کو قرار دے کر اور ان تقریروں کے قلمبند کرنے والوں کے واضح بیان کے بعد بھی کہ اصل عبارت میں غلطی اور فروگذاشت واقع ہوئی ہے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ معتزلی یا قدری ہیں۔ ان کے ایجنٹ ہیں وغیرہ وغیرہ حالانکہ اپنے وقت کے اندر حضرت مرحوم اہل السنت والجماعت کے امام اور توحید و سنت کے داعی اور شرک و بدعت کے ماحی تھے جن کے سینکڑوں جید محقق اور مدرّس قسم کے عالم مرید ہیں اور دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور یہ ناچیز بھی ان کے ظاہری و باطنی علوم اور کمالات کا خوشہ چین اور خاتم المریدین ہے۔ حاشا و کلا حضرت مرحوم میں ایک بات بھی ایسی موجود نہ تھی جو اہل السنت والجماعت کے عقائد اور فقہ حنفی کے خلاف ہو تحقیق و تدقیق کا مقام ہی اور ہے اور ایسے ہی اکابر کے بارے میں غالباً مجذوب کامل نے یہ کہا ہے کہ ؎

تو جو نہ رہا ساقیا ، پینے کا کیا مزہ رہا
پینا نہ غم رُبا رہا ، پی بھی تو میں نے پی نہیں
پیرِ مغاں کا دم کہاں ، اس کی وہ بزم جم کہاں
بادہ نہیں تو ہم کہاں ، زیست یہ زیست ہی نہیں

وثالثاً[۳] حضرت مرحوم کا تقدیر، لوح محفوظ اور علم خداوندی کے بارے میں صرف وہی عقیدہ تھا جو تمام اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے کہ تقدیر کا مسئلہ حق ہے اور من وعن تمام اشیاء لوح محفوظ میں درج اور ثبت ہیں اور قبل از وقوع حوادث ہر ایک چیز

سے فرداً فرداً اور تفصیلاً اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور ازلی متعلق اور وابستہ ہے نہ یہ کہ وقوع کے بعد اُن سے خدا تعالیٰ کا علم وابستہ ہوتا ہے جیسا کہ قدریہ کا خیال ہے۔ چنانچہ حضرت مرحوم اپنی بلند پایہ تصنیف میں اپنے قلم سے مسئلہ تقدیر کی بحث اور تحقیق کرتے ہوئے حضرت امام نووی کی ایک عبارت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ۔

اعلم ان مذهب اهل الحق اثبات القدر ومعناه ان الله تبارك وتعالىٰ قدر الاشياء في القدم وعلم هو سبحانه انها ستقع في اوقات معلومة عنده سبحانه وتعالىٰ وعلى صفات مخصوصة۔ نووی ص ۲۷ ج ۱ فهي تقع على حسب ما قدرها سبحانه وانكرت القدرية هذا وزعمت انه سبحانه لم يقدرها ولم يتقدم علمه وانها مستأنفة العلم اي انما يعلمها سبحانه بعد وقوعها وكذبوا على الله سبحانه وتعالىٰ وجلّ عن اقوالهم الباطلة علوا كبيرا۔ نووی شرح مسلم ص ۲۷ ج ۱

(اے مخاطب تو جان لے کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ تقدیر حق اور ثابت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں تمام اشیاء کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اور تمام اُمور اس کے علم میں تھے کہ وہ اپنے اپنے مخصوص وقت میں واقع ہوں گے اور ان کے اوقات اور صفات مخصوصہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے نووی ص ۲۷ ج ۱) تو یہ امور اسی اندازہ کے مطابق واقع ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے اور قدریہ فرقہ اس کا انکار کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کا پہلے سے کوئی اندازہ مقرر نہیں کیا اور نہ وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان سے بعد کو وابستہ ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان امور کو ان کے وقوع کے بعد جانتا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر خالص جھوٹ کہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی انکے اقوالِ باطلہ سے بلند اور بالا تر ہے۔

بلفظہ (تحریرات حدیث ص ۱۹۵ مصنفہ حضرت مولانا حسین علیؒ)

کیا اس تفصیلی عبارت کے بعد بھی انصاف و دیانت کی دنیا میں یہ احتمال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت مرحوم قدری اور معتزلی ہیں؟ یا وہ اہلِ حق اور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ

کے خلاف ہیں؟ وہ تو حضرت امام نوویؒ کی اس واضح تر عبارت سے اہلِ حق اور قدریہ کو مدّمقابل ذکر کرکے اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب تو اہلِ حق ہی کا صحیح ہے اور قدریہ کا زعم باطل ہے اور اپنے اس دعویٰ پر وہ امام اہل السنت والجماعت حضرت امام نوویؒ سے استدلال واحتجاج کرتے ہیں اور ان کی عبارت اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں درمیان کا ایک جملہ شائد کتابت سے چھوٹ گیا ہے وہ بھی ہم نے بین القوسین درج کر دیا ہے اور آخر کا حصہ بھی ہم نے نقل کرکے بین القوسین سے مقیّد کر دیا ہے۔ اگر حضرت مرحوم صرف اتنی ہی عبارت نقل کر دیتے تب بھی ان کا عقیدہ بالکل روشن اور ظاہر تھا کیونکہ اصولِ تصنیف کے پیش نظر جب کوئی شخص اپنے کسی بیان کی تائید میں کسی دوسرے کی عبارت نقل کرتا ہے اور اس کے کسی جزء سے اختلاف نہیں کرتا تو اس کا لازماً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے ساتھ وہ کامل اتفاق رکھتا ہے۔ مگر حضرت مرحوم نے تو صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے بعد امام خطابیؒ المتوفی ۳۸۸ھ کی ایک عبارت کو بطورِ تائید کے پیش کرنے کے بعد آخری فیصلہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

قلت وقد تظاهر الادلة القطعيات من الكتاب والسنة واجماع الصحابة على اثبات القدر وقد قرر ائمتنا من المتكلمين ذلك احسن تقرير بدلائلهم القطعية السمعية والعقلية انتهى بلفظه (تحریر اصول ص۱۹۵)

میں کہتا ہوں کہ کتاب وسنت اور اجماع صحابہؓ سے قطعی دلائل اس مسئلہ پر ظاہر طور پر دلالت کرتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ حق اور ثابت ہے اور آئمہ متکلمین نے اس مسئلہ کو بہترین طرزِ بیان میں پیش کیا ہے اور اس پر نقلی اور عقلی قطعی دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں۔

یہ حضرت مرحوم کی اپنی تصنیف کی اپنی عبارت ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ وہ قدری اور معتزلی ہیں؟ اور تقدیر کے یا لوحِ محفوظ میں اشیاء کے منضبط ہونے کے منکر ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ کے علم محیط تفصیلی اور ازلی کے منکر ہیں؟ اور کیا تقدیر کے مسئلہ کو حق اور ثابت تسلیم کرتے ہوئے کتاب وسنّت اور اجماعِ صحابہؓ سے قطعی دلائل کا اس

پر پیش اور نقل کرنا کسی معتزلی اور قدری کا کام ہے؟ اور کیا آئمہ متکلمین نے نقلی اور عقلی طور پر قطعی دلائل اثباتِ تقدیر پر پیش کئے ہیں یا اس کے انکار پر؟ اور کیا ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص معتزلی اور قدری ہوا کرتا ہے؟۔

"مؤلفِ نُورِ ہدایت"۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر بقولِ خود عبارت مذکورہ کو عدل وانصاف کے ترازو میں رکھ کر اپنی کتاب سے موازنہ کریں اور خود ہی صحت وسقم کا فیصلہ کریں کہ اصل بات کیا تھی، اور انہوں نے اس کو کیا بنا دیا ہے؟ اور ان کی فہم نارسا نے ان کو کیسا شرمندہ کر دیا ہے؟ بقول شخصے کہ ؎ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

اَب مؤلفِ نورِ ہدایت پر از روئے انصاف و دیانت یہ لازم ہے کہ وہ صاف اور صریح الفاظ میں حضرت مرحوم کو قدری اور معتزلی کہنے سے رجوع اور توبہ کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس صحیح حدیث قدسی کی زد میں آجائیں مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزْتُہٗ بِالْحَرْبِ (اَوْکَمَاقَالَ) کیونکہ مؤلفِ مذکور نے فرقہ قدریہ کے جو یہ باطل عقیدے لکھے ہیں ان میں ایک بھی حضرت مرحوم کا عقیدہ نہیں تھا۔ وَحَاشَاہُ عَنْ ذٰلِكَ کہ (۱) لوح محفوظ میں سب کچھ پہلے لکھا ہوا نہیں (۲) اللہ جل شانہ کا ارادہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے (۳) عالم الغیب والشہادۃ عزّ اسمہٗ جمیع اشیاء موجودات (و) معدومات کا علم نہیں رکھتا بلکہ صرف موجودات کا عالم ہے اور اس عالم الغیب والشہادۃ کو انسان کے متعلق اتنا علم نہیں کہ آئندہ کیا کریگا بلکہ انسان کے کرنے کے بعد خدا تعالےٰ کو معلوم ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ اھ بلفظہٖ (نورِ ہدایت ص۵) غرضیکہ ان میں ایک عقیدہ بھی حضرت مرحوم کا نہیں یہ محض فریق مخالف اور مؤلفِ نورِ ہدایت کا حضرت مرحوم پر صریح بہتان خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے۔ حضرت مرحوم کی تو ساری زندگی اسی مسئلہ کی تشریح اور تفسیر میں گذر چکی ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ اور ہر ہر چیز کو جاننے والا صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے اور بس۔ ایسی بزرگ ہستی کے متعلق جس کا توحید باری تعالےٰ کے بارے میں یہ کھلا ہوا عقیدہ ہر موافق ومخالف پر عیاں وآشکارا ہے کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کا یہ عقیدہ

ہے کہ انسان کے متعلق اتنا علم نہیں رکھتا کہ وہ آئندہ کیا کرے گا؟ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ مؤلفِ نور ہدایت تو از راہ جہالت و تعلّی حضرت کے تمام متوسلین کو خطاب کرتے ہیں مگر ان کا گھر اس ناچیز نے بفضلہٖ تعالیٰ یہ کہتے ہوئے پورا کر دیا ہے کہ ۔ ؎

صراحی در بغل ساغر بکف مستانہ وار آجا
لگائے آسرا بیٹھا ہے اک مستانہ برسوں سے

مؤلفِ نور ہدایت نے اپنے تعصب مذہبی کی بنا پر بلا وجہ اس بحث کو طول دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ۔

اب مولوی صاحب فیصلہ صادر فرماتے ہیں اور آیات قرآنیہ جیسا کہ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب (معتزلہ) پہ منطبق ہیں ۔ مگر بعض مقام قرآن جو ان کے مطابق نہیں بنتے ان کا معنی صحیح کرتے ہیں اور اہلِ سنت جماعت والے معنیٔ علم کا ظہور لیتے ہیں جس جگہ مخالف آجائے انتہیٰ بلفظہٖ بلغۃ الحیران ص۵۷، ۵۸ الخ نور ہدایت ص۱)

پھر اس پر پیچ پا اور آگ بگولہ ہو کر جوش و خروش میں آکر اثنائے کلام میں یوں بھی لکھتے ہیں کہ ۔ ہاں ہاں دیوبندی مجدد کے حاکمانہ انداز شاہانہ طرز فیصلانہ روش دیکھیے کہ کس دلیری اور جرأت سے کہہ دیا کہ قرآن و احادیث کے الفاظ مذہب معتزلہ پہ منطبق ہیں یعنی معتزلہ کا مذہب قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور اہل سنت کا قرآن و حدیث کے خلاف معتزلہ کے ایجنٹ نے واقعی وکالت کے فرائض خوب سرانجام دیئے مدعی سست گواہ چست الخ بلفظہٖ (نور ہدایت ص۱۱) اور نیز بلغۃ الحیران ص۱۵۷ کی اس عبارت پر کہ اس واسطے مسامرے والے نے اس کا جواب نہ دیا اور کہا کہ نہایت سخت اشکال ہے اور تفسیر کبیر والے نے کہا کہ اس کے واسطے بہت حیلے کئے ہیں لیکن کوئی معتد بہ جواب نہ دیا جس سے تسلی اور یقین آ جاتے ۔ اھ (نور ہدایت ص۸) گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ائمہ اہلِ سنت نے ہر زمانہ میں مخالفین و معترضین کو دندان شکن جواب دیے مبہوت و لاجواب کر دیا۔ کُتب کلام قدریہ کے رد میں بھری ہیں ۔ مگر دیوبندی مجدد معتزلہ کے وکیل کہتے ہیں کہ مجھے ان سے

تسلی اطمینان نصیب نہیں ہوا معتزلہ غالب ہیں اور اہلِ سنّت مغلوب اھ بلفظہٖ نور ہدایت ص۹)

الجواب ۔ پہلی عبارت میں مؤلف نور ہدایت نے عجیب حماقت کا ثبوت دیا ہے بلغہ کی عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اہلِ سنت اور معتزلہ مسئلہ تقدیر وغیرہ میں دو متضاد گروہ ہیں اور اہل سنت جس مقام پہ علم کے لفظ سے خداوند عزیز کے لیے حدوثِ علم کا شبہ ہوتا ہو وہاں علم سے مراد علم ظہور لیتے ہیں اور وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ وغیرہ میں الفاظ کے پیش نظر معتزلہ کے مذہب پر اس کا انطباق ہوتا ہے لیکن کیا یہ انطباق صحیح ہے یا غلط؟ حق ہے یا باطل؟ اپنی حقیقت پر محمول ہے یا اس کی مناسب تاویل کی جاتی ہے؟ یہ اور اس قسم کی دیگر اہم باتیں اس مقام پہ مذکور نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف نور ہدایت ان میں ایک غلط اور بے بنیاد پہلو کو حضرت مرحوم کی طرف منسوب کر کے اپنے قلب مریض کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کے درپے ہیں بلکہ بلغۃ الحیران کی یہ عبارت کہ مگر بعض مقام قرآن جو ان (معتزلہ) کے مطابق نہیں بنتے ان کا معنی صحیح کرتے ہیں (بلفظہٖ) اس امر کا صاف اور واضح قرینہ ہے کہ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ وغیرہ میں ظاہری الفاظ کے پیش نظر جو معنی معتزلہ نے کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اسی لیے آگے اہلِ سنت کا حوالہ دیتے ہوئے علم کا معنی ظہور کر کے اس امر کو واضح کر دیا ہے تاکہ کسی کوڑ مغز کو غلط فہمی نہ ہو مگر ہاں بددیانتی کا تو کبھی کوئی علاج ہی نہیں ہوا وہ تو محلِ نزاع سے بالکل خارج ہے ۔ اور دوسری عبارت کے اندر بلغۃ الحیران میں صاحبِ مسامرہ اور حضرت امام رازیؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ معتزلہ کا تقدیر کے سلسلہ میں اشکالِ قوی ہے اور اس کا جواب مُشکل ہے اور امام رازیؒ نے یہ فرمایا کہ اگرچہ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں مگر اطمینان اور تسلّی کسی سے نہیں ہوتی ۔ مؤلفؔ نور ہدایتؔ کی کمال بے حیائی اور بے باکی ملاحظہ کیجیے کہ وہ امام رازیؒ اور صاحب مسامرہ کا نام تک نہیں لیتے اور بقول عارف ؏ بے حیا باش وہر چہ خواہی کُن پہ عمل کرتے ہوئے وہ اس سب مضمون کو حضرت مرحوم کے سر تھوپتے ہیں اور جن کے حوالہ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے ان کا نام تک نہیں لیتے اور شیر مادر سمجھ کر غٹ غٹ کر جاتے ہیں ، اور گر بہ مسکین بن کر دیانتداری کو بالائے

طاق رکھ دیتے ہیں۔ حیرت ہے ایسے علم پر تعجب ہے ایسی دیانت پر حیف ہے ایسی عبادت پر، تاسف ہے ایسی حق پرستی پر، مگر ان کو کیا وہ تو اس پر عمل پیرا ہیں کہ ع

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔

مؤلف نور ہدایت کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسئلہ تقدیر حق اور ثابت ہونے کے باوجود اصعب المسائل ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مسئلہ تقدیر میں بحث وتمحیص سے منع فرمایا تھا۔ اور علماء امت نے باوجود اس کے کہ انہوں نے مخالفین کو جوابات دیئے ہیں۔ پھر بھی اس کے مشکل ہونے کا اقرار کیا ہے اور کسی مسئلہ پر کسی باطل پرست کا کوئی شبہ اور اشکال اگر مشکل ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مسئلہ ہی باطل ہو جائے یا باطل پرست غالب اور حق گو مغلوب ہو جائے۔ یہ ان کی کج فہمی اور بے علمی کا ثبوت ہے۔ اگر مؤلف نور ہدایت چاہے تو ہم ان کو بیسیوں ایسے مسائل باحوالہ کتب بتا سکتے ہیں جن میں اہل حق متحیر رہے ہیں اور صاف لفظوں میں اس کا اقرار کیا ہے کہ ان کا جواب مشکل ہے۔ مؤلف نور ہدایت نے علمی اور تحقیقی طور پر کیسی پست ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس مقام پر ہم صرف ایک حوالہ درج کر دیتے ہیں اگر فریق مخالف کی طرف سے کچھ کہا گیا تو ان کی طبیعت صاف ہو جائے گی انشاء اللہ العزیز۔ یار زندہ صحبت باقی۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ۔

فان قلت فما المراد بقوله تعالیٰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ وقوله تعالیٰ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَنصُرُهٗ ورسله بالغيب ونحوها من الآيات فان ظاهر ذلك يقتضي ان الحق تعالیٰ يستفيد علماً بوجود المحدثات فالجواب ان هذه المسئلة اضطرب في

اگر تو یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے حتیٰ کہ ہم جان لیں اور اسی طرح یہ فرمان کہ تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے اُن لوگوں کو جو بن دیکھے اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں اور اسی طرح کی اور آیات آیات قرآنی کہ یہ بظاہر اس کو چاہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو محدثات کے موجود ہونے کے بعد ہی علم

فهمها فحول العلماء ولا يزيل اشكالها الا الكشف الصحيح اھ بلفظه (اليواقيت والجواهر ص ۸۶/۱)

ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے سمجھنے میں بڑے بڑے ماہر علماء کرام پریشان ہوئے ہیں اور کشف صحیح کے بغیر یہ اشکال سرے سے رفع ہی نہیں ہوتا۔

اور پھر آگے شیخ الصوفیہ محی الدین ابن عربیؒ کے حوالے سے اسی مسئلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

هذه مسئلة حارت فيها العقول اھ (جلد ۱ ص ۶۸)

اس مسئلہ میں ساری عقلیں دنگ رہ گئی ہیں۔

مؤلف نور ہدایت کو اب اپنے (اور بقول خود اپنی۔[1]) قلم کا رخ ان حضرات کی طرف پھیر دینا چاہیے جو یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کو سمجھنے میں بڑے بڑے ماہر اور متبحر عالم بھی متحیر رہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ نہ تو یہ مسئلہ ان کے خیال میں قرآن سے حل ہوتا ہے اور نہ حدیث سے اور نہ اجماع سے اس کے شکوک زائل ہو سکتے ہیں اور نہ قیاس سے بلکہ اس کا صحیح حل صرف کشف صحیح ہے۔ اور کشف کے بارے میں مؤلف نور ہدایت اپنے کسی قابل استاد سے پوچھ لیں کہ آیا وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی؟ وہ موجب حکم شرعی ہے یا نہیں؟ امام عبدالوہابؒ نے تو یہ صاف کہہ دیا ہے کہ قرآن وحدیث وغیرہ دلائل سے یہ مسئلہ سرے سے حل ہی نہیں ہوتا اور نہ اس کے اشکالات رفع ہو سکتے ہیں؟ بلکہ صاحب کشف صحیح ہی اس کو حل کر سکتا ہے؟ کشف کتنے لوگوں کو ہوا یا ہوتا ہے؟ اور پھر کشف صحیح کس کس کو ہوا یا ہوتا ہے؟ اس کا جواب تو مؤلف نور ہدایت ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ ہم تو یہی عرض کریں گے کہ ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

الحاصل حضرت مرحوم اللہ تعالیٰ کے علم قدیم ازلی کو صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں اور اس کے بھی صاف صاف لفظوں میں مقر ہیں کہ تقدیر کا لوح محفوظ اور کتاب مبین میں درج

[1] بقول مؤلف نور ہدایت ورنہ بلغۃ الحیران حضرت کی اپنی تصنیف نہیں ہے۔

اور ثبت ہونا حق ہے۔ چنانچہ بلغۃ الحیران صفحہ ۱۳۳ میں ہے اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ الخ اس سے یا لوح محفوظ مراد ہے۔ یا علم اللہ تعالیٰ مراد ہے یا وہ اعمالنامہ جو کہ فرشتوں کے پاس ہوتے ہیں باقی اس مسئلہ کی تحقیق کما حقہٗ، میں ایک رسالہ ہے اور اُمُّ الْکِتَابِ سے مراد وہ کتاب ہے جو کہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اور یُثْبِتُ سے تعبیر کی جاتی ہے اس پر کوئی واقف نہیں ہے انتہیٰ بلفظہٖ۔ اور خود اپنی تصنیف میں حضرت مرحوم اس حدیث کی شرح میں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر ثبت فرمائی ہے (مسلم شریف) حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے حوالہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

المراد تحدید وقت الکتابۃ فی اللوح المحفوظ او غیرہ لا اصل التقدیر فان ذلک ازلی لا اوّل لہ (تحریرات حدیث ص۱۹۴)	اس کتابت سے لوح محفوظ یا کسی اور چیز میں کتابت کی تحدید مراد ہے اصل تقدیر مراد نہیں ہے کیوں کہ وہ تو ازلی ہے اس کی کوئی ابتدا ہی نہیں ہے۔

غور کیجئے کہ حضرت مرحوم تقدیر اور خدا تعالیٰ کے علم ازلی اور لوح محفوظ میں تمام اشیاء کے ضبط ہونے کا کیسا صریح اقرار کرتے ہیں اور اپنے اس دعویٰ پر وہ قرآن کریم۔ حدیث شریف اور اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حوالہ دیتے ہیں اور اہل السنّت والجماعت کے نامور اور محقق عالم حضرت امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ سے استدلال کرتے ہوئے اپنے دعوے کو مبرہن کرتے ہیں۔ اگر با ایں ہمہ حضرت مرحوم معتزلی اور قدری ہیں اور ان کا عقیدہ قرآن کریم اور حدیث شریف اور اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل السنت والجماعت کے خلاف ہے تو مؤلف نورِ ہدایت (وغیرہ) اپنے کسی لائق استاد سے پوچھ کر ہمیں یہ بتائیں کہ اہل السنت والجماعت کس گروہ کا نام ہے؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟ خواہ مخواہ کیوں مخلوق خدا کو دھوکا دے کر گمراہ کرتے اور اولیاء اللہ سے بدظنی کر کے محاربت الٰہی کا تمغہ حاصل کرتے ہو؟

پہلے ہم سے ہمارے عقائد پوچھ لو پھر ہمارے مقابلہ میں محاذ قائم کرو ~

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی
زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے؟

مؤلف نورِ ہدایت کی حواس باختگی۔

مؤلف مذکور نے احکام تشریعی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل اور شارع قرار دیتے ہوئے توضیح و تلویح اور عارف صمدانی امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ و شاہ عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے حوالجات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ چونکہ اپنے اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے لہٰذا شارع اور مختار تھے ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ یعنی جب آپ کو امور تشریعیہ میں مختار کیا گیا (نورِ ہدایت ص۲۷) اور پھر امام شعرانی کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کی اور اس کا یوں ترجمہ کیا کہ یعنی بیشک جسے اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا وہ اشدّ ہے اس سے جسے نبی پاک علیہ السلام نے اپنی طرف سے فرض فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مختار کیا کہ جو چاہیں واجب یا نا واجب کریں۔ بلفظہٖ نورِ ہدایت ص۱۸)

اور امام نووی رحمہ اللہ سے وللشارع ان یخص الخ نقل کرنے کے بعد پھر شیخ عبدالحق صاحب رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ احکام مفوض است بآنحضرت الخ اور اس تمام بحث سے ان کا مقصود یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شارع تھے لہٰذا آپ مختار کل تھے۔

الجواب:۔ مؤلفِ مذکور کا ان دلائل سے آپ کا متنازع فیہ معنی (یعنی مافوق الاسباب امور) میں مختار کل ثابت کرنا بڑی جہالت ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ مؤلف نورِ ہدایت کا تو یہ دعوےٰ ہے کہ۔ کیونکہ ہم تو سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو باعلامِ اللہ تعالیٰ آئندہ ہونے والے واقعات سے بھی آگاہ سمجھتے ہیں اور ماکان و ما یکون کا عالم اعتقاد رکھتے ہیں بلفظہٖ (نورِ ہدایت ص۱۳)

سوال یہ ہے کہ جب آپ عالم ماکان و ما یکون تھے اور آپ کو علم غیب حاصل تھا تو آپ کو اجتہاد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اجتہاد و قیاس سے کام لینا

تو اس کا کام ہے جس کو علم غیب حاصل نہ ہو؟ علم غیب و علم ماکان و مایکون اور اجتہاد و قیاس جمع کیسے ہو گئے ہیں؟ نیز قیاس و اجتہاد تو مافوق الاسباب امور میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق تو ماتحت الاسباب امور سے ہے۔ اس مسئلہ کی مبسوط بحث ہم نے اپنی مفصل کتاب "ازالۃ الریب عن مسئلہ علم الغیب" میں کر دی ہے وہاں ہی دیکھ لیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے بھی فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے مگر سادات حنفیہ کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے نزدیک اس کی ایک شرط بھی ہے۔ اس کی پوری بحث تو ازالۃ الریب میں دیکھیں ہاں ایک حوالہ اس سے مستزاد یہاں ملاحظہ کر لیں۔ حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں کہ۔

ثم اعلم ان للانبیاء علیهم السلام ان یجتهدوا مطلقاً وعلیه الاکثر او بعد انتظار الوحی و علیه الحنفیة اھ (شرح فقه اکبر ص۱۶۳)

پھر جان لینا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اکثر علماء کے نزدیک مطلقاً اجتہاد کرنے کا حق تھا مگر علماء احنافؒ یہ فرماتے ہیں کہ وحی کی انتظار کے بعد آپ کو اجتہاد کا حق تھا۔

انتظار وحی کی قید جو توضیح و تلویح میں مذکور ہے مؤلف نور ہدایت نے ہڑپ کر لی ہے حالانکہ احناف کے نزدیک یہ ایک بنیادی شرط ہے۔ نیز یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد میں بقیہ مجتہدین کی طرح خطا کا امکان بھی ہوتا ہے اگر ان کو علم غیب یا ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوتا تو پھر خطا کا کیا مطلب؟ کیا عالم الغیب سے بھی کبھی خطا سرزد ہو سکتی ہے؟ ہاں یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً تنبیہ نازل ہو جاتی ہے اور دیگر مجتہدین کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ ازالۃ الریب کے حوالوں سے الگ ایک حوالہ ہم یہاں عرض کرتے ہیں وہ ملاحظہ کر لیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

و پیغمبران نیز گاہے اجتہاد مے کنند بقوت عقل خود از قواعد شرع حکمی را مے فہمند و آں حکم خطا مے شود و از حضور خداوندی پیغمبراں را برآں خطا زود متبنہ مے کنند اھ (تفسیر عزیزی پارہ عم ص۶۶ سورۃ عبس)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی کبھی اپنے اجتہاد اور اپنی قوت عقل کے مطابق قواعد شرع سے کسی حکم کو سمجھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ ٹھیک نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو اس پر تنبیہ کی جاتی ہے۔

اگر مؤلف نور ہدایت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے جواز اجتہاد سے ان کا متنازع فیہ معنی میں مختار کل اور متصرف فی الامور ہونا ثابت کرتے ہیں تو ان کو تمام مجتہدین اسلام کے لیے یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ بھی مختار کل ہیں۔ کیونکہ آخر وہ بھی تو دلائل شرعیہ کے رو سے اجتہاد اور قیاس کرتے ہیں، پھر سب کے سب کیوں نہ مختار کل ہو جائیں؟ مزید بحث کے لیے "راہ سنت" کا مطالعہ کیجیے وثالثاً بلاشک مجازی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر شارع کا لفظ اطلاق ہو سکتا ہے اور بہت سے علماء کرام کی عبارات میں ہوا بھی ہے مگر اس میں بھی نزاع نہیں ہے کیونکہ جن امور میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی ان میں آپ اجتہاد و قیاس فرمایا کرتے تھے یہ مفروغ عنہ بحث ہے اور تفویض احکام سے دوسرے دلائل کے پیش نظر یہی مراد ہے۔ چنانچہ ہم نے حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ کی کچھ عبارتیں ازالۃ الریب میں نقل کر دی ہیں وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ اور اسی طرح فرض وغیرہ کی نسبت بھی آپ کی طرف جیسا کہ امام شعرانیؒ نے کی ہے صرف مجازی ہے حقیقی طور پر شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے چنانچہ وہ خود ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ونحن نعلم ان الشارع هو الله تعالیٰ ولا یعزب عن علمه شیٔ ولو کانت اباحت ذلك الامر خاصة بقوم دون اخرین لبینها تعالیٰ علی لسان رسوله صلی الله علیه

اور ہم جانتے ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز او جھل نہیں ہے اور اگر اس چیز کی اباحت ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسروں کے حق میں نہ ہو تو یہ ضروری امر تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم فانہ صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ عن اللہ احکامہ فیما ارادہ اللہ تعالیٰ لا ینطق قط عن ھویٰ نفسہ ولا ینسیٰ شیئا مما امرہ بتبلیغہ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی وماکان رَبُّکَ نَسِیًّا و ما قرر تعالیٰ من الشرائع الا ماتقع بہ المصلحۃ فی العالم فلا یزاد فیہ ولا ینقص اھ (الیواقیت والجواھر جلد ۲ ص۴۲)

کی زبان پاک سے بیان کروا دیتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام پہنچانے والے ہی تھے جن احکام کے پہنچانے کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا تھا اور حضور علیہ السلام کبھی بھی اپنی خواہش نفس کے تحت کچھ نہیں فرمایا کرتے تھے اور نہ کبھی آپ نے ان احکام کو بھلایا جن کی تبلیغ کرنے کا منجانب اللہ آپ کو حکم تھا آپ جو فرماتے تھے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا تھا اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احکام ثابت رکھے ہیں وہ مصلحت ہی پر مبنی ہیں جن میں تمام عالم کی مصلحت مضمر ہے نہ تو ان میں زیادتی کی جا سکتی ہے اور نہ کمی۔

عارفِ صمدانی امام شعرانیؒ کی یہ عبارت اس امر کی واضح ترجمانی ہے کہ وہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تسلیم کرتے ہیں جہاں انہوں نے یا کسی اور نے شارع کا لفظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کیا ہے تو اس سے مراد صرف مجازی طور پر یہ ہے کہ آپ مبلغ عن اللہ ہونے کی وجہ سے شارع ہیں اور آپ کی زبان پاک سے اللہ تعالیٰ یہ اعلان کرواتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تشریعی طور پر بھی آپ مختار کل نہیں تھے جو مؤلفِ نور ہدایت کا باطل مدعا ہے جس پر امام شعرانیؒ وغیرہ کی عبارت کو انہوں نے از روئے جہل اپنی دلیل سمجھ رکھا ہے اسی غلط نظریہ پر اس عبارتِ مذکورہ نے بمباری کر کے اس کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا ہے کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؎

چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پر ہے بجلی بنایا جس پر تھا آشیانہ

سوال از آسمان و جواب از ریسمان

مؤلفِ نور ہدایت نے متعدد معجزات سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختار کل

اور متصرف فی الامور ہونا ثابت کرنے کی لاحاصل اور بے جا سعی کی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ نے خوشۂ خرما کو بلایا وہ آگیا پھر اس کو واپس درخت پر بھیج دیا (ترمذی جلد ۲ ص۲۰۳ ومشکوٰۃ ص$\frac{541}{2}$) اور لکھا ہے کہ خوشۂ خرما بغیر کسی کے توڑنے کے مافوق الاسباب کے طور پر نیچے آگرا (نور ہدایت ص۱۵۱) اور نیز یہ کہ آپ نے اشارہ سے بادلوں کو مدینہ طیبہ پر مینہ برسانے کا حکم دیا اور وہ بادل مینہ برسا گئے اور پھر اشارہ سے بادلوں کو ہٹ جانے کا حکم دیا (بخاری جلد ۱ ص۱۲۷) اور یہ کہ آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھایا (بخاری ج ۱ ص۵۱۲ ومسلم جلد ۲ ص۳۷۳ وترمذی جلد ۲ ص۱۴۱) اور اس پر یہ حاشیہ چڑھایا کہ اس روایت سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اس معجزہ کا اظہار آپ کے قصد و اختیار سے ہوا چاند کا دو ٹکڑے کر دینا تصرف مافوق الاسباب نہیں تو اور کیا ہے؟ اھ (نور ہدایت ص۱۵۳، ۱۵۴) اور یہ کہ حضرت جریرؓ بن عبد اللہ گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تو پھر گھوڑے سے نہیں گرے (مشکوٰۃ ص$\frac{535}{2}$ وبخاری ص$\frac{924}{2}$ و ۴۲۴) اور یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کو حدیثیں یاد نہیں رہتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چادر بچھا کر اس کو اپنے سینہ سے لگا لے تو وہ کبھی نہ بھولے گا چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایسا ہی کیا اور پھر وہ نسیان سے کبھی دوچار نہیں ہوئے (بخاری ص$\frac{22}{1}$) اور پھر امام قسطلانیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں وھذا من المعجزات الظاھرات اھ (جلد ۲ ص۷۳) اور پھر لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ آپ باذن اللہ تعالیٰ نسیان دور فرماتے ہیں۔ اور حافظ عطاءً فرماتے ہیں وھذا ھو التصرف مافوق الاسباب بلفظہٖ (نور ہدایت ص۱۴۳) اور نیز یہ کہ حضرت عبد اللہؓ بن عتیک کی ایک خاص موقع پر ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور آپ نے جب اپنا دستِ مسیحا پھیرا تو ان کی تکلیف جاتی رہی اور پھر کبھی تکلیف نہ ہوئی (بخاری ص$\frac{577}{2}$ ومشکوٰۃ ص$\frac{532}{2}$) اور نیز یہ کہ حضرت سلمہؓ کو تلوار لگی اور وہ زخمی ہو کر زندگی سے کچھ مایوس سے ہو گئے آپ نے ان کے زخم پر تین مرتبہ پھونکا تو اس کے بعد ان کو پھر کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی (مشکوٰۃ جلد ۲ ص۵۳۳ وبخاری ص۶۰۵) اور یہ کہ حضرت علیؓ کو آشوبِ چشم کی سخت تکلیف تھی آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے لعاب دہن شریف لگایا تو فوراً مرض جاتا رہا (دیکھو مشکوٰۃ ص ۵۶۳ اور بخاری ومسلم)
اور نیز یہ کہ آپ کی انگلیوں سے کھانا نکلا (مسلم جلد ۲ ص ۱۷۹) اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
کی کھجوروں میں برکت ہوئی (مشکوٰۃ ص ۵۳۷ ج ۲ و بخاری ص ۳۹۰) اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک
روٹی میں برکت ہوئی اور اسّی صحابہ کرام رض اس سے سیراب ہو گئے (مشکوٰۃ ص ۵۳۷ ج ۲ ۔ بخاری ص ۵۰۵
ومسلم ص ۱۷۹ ج ۲ و ترمذی ص ۲۰۳ ج ۲) اور غزوہ تبوک کے موقع پر تھوڑی سی اشیاء میں برکت ہو گئی
(مشکوٰۃ ص ۵۳۸ و مسلم ص ۴۳ ج ۱) اور حضرت جابر رض کے چار سیر جو اور بکری کے بچہ میں جو ذبح کیا گیا
تھا برکت ہو گئی (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۳۲ و بخاری ص ۵۸۸ و مسلم جلد ۲ ص ۱۷۸) اور حدیبیہ کے موقع
پر آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا (مشکوٰۃ ص ۵۳۲ ج ۲ و قال متفق علیہ و بخاری ص ۵۱۹ ج ۱) اور
زوراء کے مقام پر بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا (مشکوٰۃ ص ۵۳۷ و بخاری ص ۵۰۴ و مسلم جلد ۲ ص ۲۴۶)
یہ اور اس قسم کے دیگر متعدد واقعات مؤلفِ نور ہدایت نے نقل کئے ہیں اور ان کی جماعت
کی طرف سے محدث کچھوچھوی صاحب وغیرہ وغیرہ نے بھی پیش کئے ہیں اور اس طرح کے
اور بھی متعدد واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں ان واقعات کو مؤلف نور ہدایت نے
پیش کر کے حضرت علی رض کی آشوب چشم والی حدیث کے بعد یہ لکھا ہے کہ ۔

ایسے اور متعدد واقعات کتب احادیث میں مروی ہیں۔ دیکھا آپ نے ہمارے نبی
کیسے متصرف دافع البلاء مشکل کشا اور نافع ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ؟ اور اس طرح بلا اسباب
عادی مرض کا دور کرنا تصرف بھی ما فوق الاسباب طریق پر ہے اھ بلفظہ (نور ہدایت ص ۱۴۲)

الجواب ۔ یہ تمام واقعات جن کو ہم نے اپنے الفاظ اور عبارت میں مؤلف "نور ہدایت"
ہی کے پیش کردہ حوالوں سے نقل کیا ہے (لہذا نقل تصحیح ہم پر عائد نہیں ہوتی) ہمارا ان
میں سے ایک ایک واقعہ پر (جو سنداً صحیح ہے) ایمان ہے اور ہم معجزات کو بلا قیل و قال
تسلیم کرتے ہیں۔ مگر خود مؤلفِ نور ہدایت سوء فہم کا شکار ہیں۔ انہوں نے معجزہ کو نبی کا اپنا
اختیاری فعل سمجھ رکھا ہے اور پھر اس کو وہ علی الاطلاق ما فوق الاسباب تصرف سمجھے بیٹھے
ہیں اور پھر خیر سے ما فوق الاسباب کا متنازع فیہ معنی بھی نہیں سمجھے ہم ان تمام امور کوالواب

سابقہ میں شرح وبسط کے ساتھ عرض کر چکے ہیں مزید اس پر کچھ کہنے اور لکھنے کی ضرورت
محسوس نہیں کرتے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔ غرضیکہ معجزات وکرامات وغیرہ کے واقعات
سے متنازع فیہ معنی میں مختار کل اور متصرف فی الامور وغیرہ کا مسئلہ ثابت کرنا سوال از آسمان
اور جواب از ریسمان کا خارجی مصداق ہے اور دعویٰ اور دلیل میں سرے سے کوئی مطابقت
ہی نہیں پائی جاتی۔ لہذا ایسے بے بنیاد دعاوی کسی بھی باانصاف عدالت میں ہرگز قابلِ
سماعت نہیں ہو سکتے اور صحیح دلائل کا ان بے بنیاد دعاوی پر فراہم کرنا فریق مخالف کے
بس میں نہیں ہے۔ ؎

از ممکنات نیست وصالِ حصولِ دوست
دستِ گدا بدامنِ سلطان نمی رسد

مؤلفِ نور ہدایت کا دجل

مؤلف مذکور نے اپنے پیشرو صاحب انوار ساطعہ وغیرہ کی طرح جنہوں نے مسئلہ حاضر و ناظر
اور علم غیب میں ایسا ہی ایک باطل اور فاسد قیاس کیا ہے (دیکھئے انوار ساطعہ) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ما فوق الاسباب طریق پر متصرف اور مختار کل ہونے کو ان احادیث پر
بھی قیاس کر کے اپنے دجل اور تلبیس کا پورا ثبوت دیا ہے جن میں دجالِ لعین کے استدراجات
کا تذکرہ آیا ہے کہ دجال آسمان کو حکم کرے گا تو مینہ برس پڑے گا اور زمین کو حکم کرے گا تو
وہ سبزہ اگا دے گی اور ویران زمین پر گذرے گا اور وہاں کے خزانوں کو حکم دے گا تو وہ اس
کے ساتھ چل پڑیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے ساتھ چل پڑتی ہیں (مشکوٰۃ
ص ۴۷۳ مسلم ص ۴۰۱ ج ۲ ۔ ترمذی ص ۴۷ ج ۲) مؤلف مذکور لکھتا ہے کہ اتنا فرق
ضرور ہے کہ ہمارے نزدیک جتنے تصرفات اور اختیارات اس مردود کو حاصل ہوں گے
اس سے کہیں زیادہ امام الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اور بعض
یار لوگوں کے نزدیک دجال تو متصرف و مختار ہوگا مگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم
متصرف و مختار نہیں بلکہ آپ کے لیے ایسا تسلیم کرنا ان کے دھرم میں شرک صریح ہے الخ
(نور ہدایت ص ۱۴۶)

الجواب :۔ ملاحظہ کیا آپ نے کہ جناب امام الانبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل اور متصرف ہونے کو کس طرح دجال لعین کے تصرفات پر قیاس کرکے مؤلفؔ نور ہدایت نے کمال بے حیائی اور دجل وتلبیس کا ثبوت دیا ہے اور اس دجالی قیاس کے وقت ان کو شرم بھی نہیں آئی کہ کیونکہ دجال کے جادو اور طلسم واستدراج وغیرہ کے تصرفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مافوق الاسباب تصرفات کو قیاس کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس دجالانہ قیاس کی وجہ سے کہیں آپ کی توہین تو نہ ہوگی؟ العیاذ باللہ مگر ان کو اس سے کیا واسطہ؟ ان کی تو ایک بڑی وزنی دلیل معرضِ وجود اور منصہ شہود میں آگئی ہے۔ جس کی وجہ سے خدا جانے وہ کتنے مورچے سر کریں گے اور کتنے قطعی دلائل کو اس سے رد کریں گے بقول شخصے ؎

میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

ہم متعدد حوالوں سے اسی کتاب میں اہل السنت والجماعت کا یہ مذہب نقل کر آئے ہیں کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی اور ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے نبی اور ولی کا اپنا فعل نہیں ہوتا اور نہ ان کے کسب واختیار کا اس میں کچھ دخل ہوتا ہے جب اہل السنت والجماعت نبی اور ولی کے خارق عادت فعل کو ان کا اختیاری فعل تسلیم کرنے کیلئے آمادہ ہی نہیں تو دجال لعین وغیرہ کے خوارق عادات کو وہ بھلا کیونکر ان کے اختیاری افعال تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور گذر چکا ہے کہ جمہور اہل اسلام معجزات اور کرامات کو بھی مطلقاً مافوق الاسباب تصرفات نہیں مانتے۔ تو پھر دجال کے تصرفات اور خوارق کو کون مافوق الاسباب امور تسلیم کرتا ہے؟ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دجال لعین کے ہاتھ پر چند امور کا ظہور ہوگا جن میں ایک شخص کو قتل کرکے اس کا زندہ کرنا بھی شامل ہے۔ مگر جب دوبارہ اس شخص کو اس کی بے لاگ حق گوئی کی وجہ سے غصہ میں آکر دجال لعین ذبح کرنا چاہے گا تو باوجود انتہائی کوشش کے فلا یستطیع الیہ سبیلا (مسلم جلد ۲ ص۴۰۳ ومشکوٰۃ ص۴۷۴/۲) اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور اس کی وجہ بھی صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک امتحان ہوگا جو دجال لعین کے ذریعہ سے پورا ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت ہی سے ہوگا جب وہ نہیں چاہے گا تو کچھ بھی نہ ہوگا چنانچہ امام نوویؒ حدیث دجال کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

فیقع کل ذلك بقدرة اللہ و مشیتہ ثم یعجزہ اللہ تعالیٰ بعد ذلك فلا یقدر علی قتل ذلك الرجل ولا غیرہ ویبطل امرہ (شرح مسلم جلد ۲ ص۲۹۹)

یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے واقع ہوگا پھر اللہ تعالیٰ دجال کو اس کے بعد عاجز کردے گا نہ تو وہ اس شخص کو قتل کرسکے گا اور نہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ اس کی کارروائی کو باطل کردے گا۔

اور یہ قتل کرنا بھی کسی مافوق الاسباب طریق پر نہ ہوگا بلکہ مسلم وغیرہ کی صحیح روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ پہلی مرتبہ وہ منشار (آری) سے اس مرد مومن کو دو ٹکڑے کرے گا اور دوسری دفعہ نحاس (تانبے) کے اوزار سے اس کو قتل کرنا چاہے گا۔ مگر ناکام ونامراد رہے گا۔ دیکھی آپ نے دجال لعین کے تصرف کی حقیقت کہ باوجود چاہنے اور کوشش کرنے کے بھی وہ اس مومن کو دوبارہ قتل نہیں کرسکے گا۔ مگر مؤلفِ نور ہدایت یہ لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ ان کے عقیدہ میں ایسے اختیارات تو کسی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتے بلکہ الوہیت کا خاصہ ہیں۔ بلفظہٖ (نور ہدایت ص۱۴۶)

مگر ان تمام ابحاث میں مؤلف مذکور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی سرے سے اصطلاح ہی کو نہیں سمجھا اور خواہ مخواہ دوسروں کو موردِ الزام قرار دیتا ہے سچ کہا گیا ہے ؎

وکم من عائبٍ قولاً صحیحاً

وآفتہ من الفہم السقیم

مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خاصۂ الوہیت وہ اختیارات اور تصرفات ہیں جو مافوق الاسباب ہوں اور جب چاہے اور جس طرح چاہے تو اس کے ارادہ اور

مشیت میں کوئی مانع نہ ہوسکے اور نہ اس کو کوئی روک سکے اگر مؤلف مذکور کو غیر اللہ کے لیے تصرفات ثابت کرنے ہی ہیں تو محل نزاع کو سمجھ کر اور پیش نظر رکھ کر دلائل تلاش کریں بلا وجہ اہل حق سے اختلاف اور جھگڑا کر کے کیوں اپنی آخرت برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کو صحیح سمجھ اور خالص توحید اور سنّت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے یہ ہماری شرافت اور دیانت ہے کہ ہم نے باوجود فریق مخالف کی انتہائی تلخ کلامی کے بھی دامن انصاف اور زبان کو محفوظ رکھا ہے کہ۔ ع

زباں رکھتے ہوئے بھی ہم رہے ہیں بے زباں اُب تک

جدید انکشاف

مؤلف نور ہدایت نے حضرت ابو سعید الخدریؓ کی اس مرفوع روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پاس جانا چاہتا ہے تو اس عبد (کامل) نے اللہ تعالےٰ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا اور

فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم هو المخیر۔ (بخاری ج۱ ص۵۱۶ و مسلم ج۲ ص۲۷۲) — وہ عبد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا۔

اور پھر ابو المعلیؓ کی روایت ترمذی (ج۲ ص۲۰۶) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ۔

فاختار لقاء ربّه الحدیث — اس بندہ نے اللہ کی ملاقات کو پسند کیا۔

اور پھر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ۔ یہ خطبہ مختار کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہمارے مدعی پر صریح الدلالت ہے اور لعبارتہ اس پر دال ہے کہ مختار کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کو امور تکوینیہ میں کو اختیار حاصل ہے آپ نے اپنے اختیار اور مرضی سے اس دار فانی سے کوچ فرمایا اھ بلفظہٖ (نور ہدایت ص۸۶) خط کشیدہ عبارت اسی طرح ہے جس میں بظاہر سقم ہے۔

الجواب یہ ہے مؤلف نور ہدایت کی دلیل سبحان اللہ مشہور ہے کہ کسی نے ایک شخص سے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے بڑے وقار اور سنجیدگی سے یہ جواب دیا کہ عین زبے عف غین زبے عف میرا نام محمد یوسف یقین کیجیے کہ بلا مبالغہ یہی حال ہے دیگر اہل بدعت حضرات کا

عموماً اور مؤلفِ "نورِ ہدایت" کا خصوصاً اس روایت کا متنازع فیہ مسئلہ مافوق الاسباب تصرفات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہے مگر مؤلف مذکور اس کو اپنے دعوے کے لیے عبارۃ النص اور صریح الدلالت کہتے ہیں شاید انہوں نے یہ کسی سے سن کر خطبہ میں بیان کر کے نعروں کی گونج میں اس کی داد حاصل کر لی ہے اور پھر وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ ہمارے دعوے کی صریح الدلالت دلیل ہے مگر اس سے کیا حاصل؟ یقین کیجیے کہ آپکو دعوے اور دلیل میں مطابقت ملحوظ رکھ کر اس پر دلیل پیش کرنا ہے اور یہ دلیل بالکل غیر متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور جلالت شان کے مطابق ان کے لیے یہ آئین رکھا ہے کہ وفات سے قبل ان کو وفات کی اطلاع دی جاتی ہے اور یہ فرمایا جاتا ہے کہ اب آپ کی ڈیوٹی اور زندگی تو پوری ہو چکی ہے اگر آپ معہذا دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہوں تو ہم مزید مہلت دے دیں کیونکہ ہم قادر ہیں مگر اللہ تعالےٰ کے نبی راضی برضا ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے طے شدہ سابق فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے آخرت کو ترجیح دیتے ہیں یہ نہیں کہ موت وحیات ہی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں سے نازل شدہ کسی حکم کے کسی پہلو اور شق کو اختیار کر لینا یہ مافوق الاسباب امر نہیں ہے۔ اور یہی مؤلفِ "نورِ ہدایت" کی اصولی غلطی کا مقام ہے۔ ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

موت اور حیات وغیرہ جو مافوق الاسباب امور ہیں ان کا اختیار خود اپنے لیے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ آپنے زندگی کے آخری لمحات میں یہ فرمایا کہ اے پروردگار میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں ثم قال اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ (بخاری ج۲ ص۶۳۸) اور ایک روایت میں ہے کہ۔

ثم یقول اللّٰھم اغفر لی وارحمنی والحقنی بالرفیق (بخاری ج۲ ص۶۳۹) — پھر آپنے فرمایا کہ اے اللہ مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحمت نازل کر اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔

اگر وفات کا آپ کو اختیار و تصرف دیا جا چکا ہوتا تو اس صریح روایت کا کیا مطلب ہے؟ مؤلف مذکور نے لفظ مخیر و اختیار سے یہ دلیل پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ اگر وہ ہم سے دریافت کر لیں تو ہم ان کو تخییر و اختیار کے سینکڑوں حوالے بتلا دیں گے اور یوں ان کے دلائل میں قابلِ قدر اضافہ ہو جائے گا مگر اس سے ان کو ایک رتی بھر فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ امر محل نزاع نہیں ہے۔ اپنی کتاب کا نام ملاحظہ کیجئے۔ (تحفۃ الاحباب فی التصرفات ما فوق الاسباب) اور پھر اس پر ما فوق الاسباب کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر دلیل پیش کیجئے۔ اگر بن پڑے، ورنہ سکوت اختیار کر لیجئے ؎

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

اسی طرح مؤلفِ "نور ہدایت" نے اس روایت سے بھی اپنے باطل مدعیٰ پر استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پہلی مرتبہ ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی (اس پر منکرین حدیث اور باطل پرستوں کا ایک شبہ ہے ہم ان شاء اللہ "شوق حدیث" میں اس پر کلام کریں گے، یہ اس کا مقام نہیں ہے) اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو آنکھ عطا فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کو ایک خاص مقدار میں زندہ رہنے کا یا وفات پانے کا اختیار دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخرت کو ترجیح دی (مشکوٰۃ ص ۵۰۷، بخاری ص ۱۷۸ و مسلم ص ۲۶۷) مؤلف مذکور اس حدیث سے نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔ کیا روشن اور چمکتا ہوا بیان کلیم اللہ علیہ السلام کی عظمت شان و تصرفات و اختیارات ہے آپ کو مختار کیا گیا مگر آپ نے لقاء معبود حقیقی کو پسند فرمایا اھ (نور ہدایت ص ۸۷) یہ بھی مؤلف کے دعوے سے سراسر غیر متعلق ہے کیونکہ حسب تصریح امام قسطلانیؒ جب ملک الموت بشری صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو

لم یعلم انہ ملک الموت	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ملک الموت ہیں

اور ملک الموت نے اطلاع دیئے بغیر ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان لینے میں اپنی

کارروائی شروع کر دی اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ رسید کیا پھر جو ہوا سو ہوا اور جو گذرا سو گذرا (دیکھئے حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۱۷۸) اس روایت میں بھی اسی طرح کا اختیار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہے جو پہلی روایت میں گذر چکا ہے اور مؤلف نور ہدایت کے دعوے سے بالکل غیر متعلق ہے اور اس روایت سے حضرت امام قسطلانیؒ کی تشریح کے پیش نظر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آخر دم تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم غیب حاصل نہ تھا۔ دیکھئے مؤلف مذکور اور ان کی جماعت اس کو بھی تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟ دیکھئے محبت کا کیا فتویٰ ہے؟ ؎

طریقِ عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے — کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

دیگر اہل بدعت حضرات کی عموماً اور مؤلفِ نور ہدایت کی خصوصاً یہ انتہائی علمی خامی ہے کہ وہ صرف ایک آدھ حوالہ دیکھ کر اس پر اپنے بے بنیاد نظریہ کی عمارت استوار کرتے ہیں مثل مشہور ہے کہ کسی کو سونٹھ کی گرہ راستہ میں جو پڑی مل گئی تو وہ پنساری بن بیٹھا۔ حالانکہ جب کسی حوالہ اور عبارت پر کسی مسئلہ کی بنیاد رکھنا ہو تو اس کے تمام پہلو اور اطراف و حدود اور متابعات و شواہد دیکھ کر اس پر بنیاد رکھنی چاہیئے۔ مثلاً ایک مقام پر مؤلف نور ہدایت نے لوگوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ وہ منطقی ہیں یہ اصطلاح لکھی ہے اور ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم کسی مبتدی طالبِ علم سے پوچھیں کہ العمل (؟ الحمل) فی اصطلاحھم اتحاد المتغایرین فی المفہوم بحسب الوجود (نور ہدایت ص ۱۷۱) اتنی بات تو انہوں نے مرقاۃ وغیرہ سے نقل کر دی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی محققین مناطقہ کے نزدیک ایک بنیادی شرط اور بھی ہے اور وہ مصنوعی منطقی کو بالکل معلوم نہیں ہے چنانچہ العلامہ المحقق المدقق احمد بن موسیٰ شمس الدین الشہیر بالخیالیؒ (المتوفی بعد ۸۶۰ھ) اپنی دقیق کتاب میں لکھتے ہیں کہ۔

ان مجرد التغایر بحسب المفہوم	محض تغایر بحسب المفہوم ہی افادہ میں کافی
غیر کاف فی الافادۃ بل لا بد من	نہیں ہے بلکہ یہ شرط بھی ضروری ہے کہ موضوع

عدم اشتمال الموضوع علی المحمول للقطع بعدم فائدۃ قولنا الحیوان الناطق ناطق (بلفظہٖ الخیالی ص۸۷)

محمول پر مشتمل نہ ہو جیسا کہ الحیوان الناطق ناطق میں ہے کیونکہ یقینی بات ہے کہ یہ غیر مفید ہے

یہ ہے مؤلف "نور ہدایت" کی منطق جس کے سبب وہ اپنے حواریوں کو کہتے پھرتے ہیں کہ میں بڑا منطقی ہوں سبحان اللہ کیا خوب کہا گیا ہے۔ کہ عطر آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ ہم نے خلافِ عادت یہ بات محض مؤلف مذکور کی جابجا اور خصوصاً حمل منطقی کے بارے میں تعلی اور نخوت کے جواب میں کہی ہے۔ ورنہ ان کی چھوٹی سی کتاب میں تقریباً پچاس سے اوپر اغلاط اور خیانتیں موجود ہیں۔ مگر ہم مکارمِ اخلاق سے کام لیتے ہوئے ان کو مزید شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے اور یہی کہتے ہوئے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں کہ۔ ع

ہے یہ گنبد کی صدا جیسے کہے ویسے سنے

ہم نے صرف مدافعت کے طور پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مطابق کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ یہ جو کچھ کہا ہے محض للہ اور فی اللہ کہا اور لکھا ہے تاکہ غلط مسائل کی وجہ سے خلقِ خدا گمراہ نہ ہو، ورنہ ہمیں کسی کی ذات کے ساتھ کوئی عداوت اور عناد نہیں ہے۔ مؤلفِ مذکور کا ایک ہی حوالہ ہم عرض کرکے اس کا جواب عرض کر دیتے ہیں اور اس کتاب کو اس پر ہی ختم کر دیتے ہیں مزید کی انتظار کیجیے، یار زندہ صحبت باقی۔

مؤلف مذکور بخاری ص۶۰۳ اور مسلم ص۱۱۲ ج۲ کی ایک حدیث کا یوں ترجمہ کرتے ہیں (بغرضِ اختصار عربی عبارت ہم نہیں لکھتے) کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا خدا عامر پر رحمت کرے ایک مرد (فاروق اعظم رض) نے کہا کہ اے اللہ کے نبی عامر کے لیے شہادت ضرور ہوگئی کیوں نہ آپ نے ہمیں ان سے نفع پہنچایا۔ امام قسطلانیؒ نے آخری جملہ کا معنیٰ یوں کیا ہے آپ نے ہمارے لیے عامر کو کیوں باقی نہ رکھا تاکہ ہم ان سے متمتع ہوتے پھر آگے مؤلفِ "نورہدایت" جوش میں آکر اور ہوش کو سلام کہہ کر یوں لکھتے ہیں کہ۔

کیسی روشن وصاف دلیل ہے مختار کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کے امر تکوینی میں متصرف و مختار ہونے کی اس روایت نے تو وہابیہ کے مزعومہ شرک کا تسمہ بھی نہ لگا چھوڑا۔ قاطع کفر وشرک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھرے مجمع میں محبوب خدا شہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلّم کے متصرف و مختار ہونے کا اعلان کر دیا اور اختیار بھی زندگی و موت میں اھ بلفظہٖ (نور ہدایت ص۹)

الجواب مؤلف مذکور جیسا کہ قرآن وحدیث اور کتب عقائد و منطق وغیرہ سے ناواقف ہیں اسی طرح علم ادب و معانی اور اسلوب عربیت سے بھی بالکل نابلد ہیں اور غالباً انہوں نے ابتدائی کتابیں بھی کسی ماہر استاد سے نہیں پڑھیں تاکہ ان کو اسناد الی السبب اور اسناد مجازی کا مفہوم معلوم ہو جاتا اور اگر مؤلف مذکور چاہیں تو ہم ان کو صرف قرآن کریم سے اسناد مجازی کی کئی مثالیں بتا سکتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے براہِ راست بخاری ومسلم کا مطالعہ نہیں کیا محض کسی رسالہ یا اخبار سے یہ حوالہ نقل کر دیا ہے اگر انہوں نے اصل کتابیں دیکھی ہوتیں تو ضرور اس کی شرح میں جو کچھ شراح حدیث نے ارشاد فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ کیا ہوتا اور اگر انہوں نے اصل کتابیں دیکھی ہیں اور پھر شراح حدیث کے بیان کردہ معنیٰ کو چھوڑ کر اپنا خانہ زاد اور ایجاد بندہ معنیٰ کیا ہے تو یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا ظلم کیا ہے اور مخلوقِ خدا کے ساتھ انتہائی خیانت کی ہے۔ حضرت امام نوویؒ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ۔

معنی وجبت ای ثبتت له الشهادة وستقع قریباً وکان هٰذا معلوماً عندهم ان من دعاله النبیّ صلی الله علیه وسلم هذا الدعآء فی هذا الموطن استشهد فقالوا هلا امتعتنا به ای وددنا انك

واجب ہوگئی کا مطلب یہ ہے کہ عامر رض کے لیے شہادت کی موت واجب ہوگئی اور عنقریب وہ اس سے مشرف ہو جائیں گے اور صحابہ کرام رض کو یہ معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب ایسے موقع پر ان الفاظ سے جس کے لیے دعا فرماتے ہیں اس کو شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے تو اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ آپ نے اس سے

لواخرت الدعاء له بهذا الی وقت اٰخر لنتمتع بمصاحبته ورؤیته مدّۃ انتھی بلفظہٖ (شرح مسلم جلد ۲ صـ۱۱۲)

ہمیں فائدہ کیوں نہ اٹھانے دیا یعنی ہم اس کو پسند کرتے تھے کہ آپ کچھ عرصہ تک اس کے لیے دعا نہ کرتے اور ہم اس کی رفاقت اور دیدار سے کچھ عرصہ متمتع ہوتے رہتے۔

غور کیجیے کہ صحابہ کرام رضؓ کیا فرمانا چاہتے ہیں اور مؤلف "نور ہدایت" اس سے کیا سمجھا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعا کا ذکر ہی نہیں کرتا اور قرآن وحدیث کی بغاوت کرتے ہوئے مختار کل ثابت کرنے کے درپے ہے۔ اور بخاری کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ

وجبت ای الشہادۃ بدعائہٖ اوالجنۃ وانما قال ذلك لما عرفه من عادته صلّی اللّٰہ علیه وسلم اذا استغفر لانسان یخصه بالاستغفار استشهد ۔ (صـ۶۰۳/۲)

یعنی آپ کی دعا کی برکت سے عامر رضؓ کے لیے شہادت یا جنت واجب ہوگئی کیونکہ صحابہؓ کو آپ کی عادت معلوم تھی کہ جب متعین کرکے کسی کے لیے استغفار کرتے تھے تو اس کو شہادت نصیب ہوجاتی تھی

ملاحظہ کیا آپ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعا و استغفار کو جو شہادت وغیرہ کے لیے محض ایک سبب تھی مؤلفِ مذکور نے علت بنا کر آپ کو متصرف اور مختار کل بنا دیا ہے اور پھر وہ بھی موت وحیات میں اور امر تکوینی کی قید بڑھا کر اس کو اور اجاگر کرنے کی بے فائدہ کاوش کی ہے۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نزاع اس میں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعا کی برکت سے کسی کو خداوند عزیز شہادت کی موت یا جنّت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے جھگڑا صرف اس بات میں ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مافوق الاسباب طریق پر متصرف اور مختار کل تھے؟ یا مافوق الاسباب طریق پر آپ تکوینی امور میں تصرف کیا کرتے تھے؟ اور کیا موت وحیات پر آپ کو تصرف اور اختیار من اللہ دیا جاچکا تھا؟ نزاع صرف اس امر میں ہے دیگر پیش کردہ دلائل کی طرح یہ حدیث بھی اس دعوے سے بالکل غیر متعلق ہے اور مؤلفِ مذکور کی ایک دلیل بھی ان کے مافوق الاسباب تصرفات کے دعوے پر منطبق نہیں ہے۔

عقیدہ اور اہل سُنّت کی حقیقت مؤلفِ نُورہدایت کی تحقیق میں

مؤلف مذکور اہلِ حق کے اس مطالبہ سے کہ اعتقادی مسائل میں خبر واحد باوجود صحیح ہونے کے مفید نہیں ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس سے ظن کا فائدہ ہوسکتا ہے اور اعتقادیات میں ظن کا کیا اعتبار ہے؟ (چونکہ فریق مخالف کی گاڑی ہی خبر واحد اور ضعیف، معلول منکر اور شاذ حتے کہ موضوع احادیث کے بل بوتے پر چل رہی ہے اس لئے وہ کبھی تو فضائل اعمال کی آڑ لیتا ہے اور کبھی خبر واحد ہی سے عقیدے ثابت کرتا ہے) بے حد گھبرا کر اور سیخ پا ہوکر اور بالکل لاجواب ہوکر ہوش وحواس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ۔ واضح رہے کہ اعتقادی مسائل کے مختلف مراتب ہیں بعض ضروریات دین سے جن کا انکار کفر بعض ضروریات اہل سنّت سے اور بعض خود اہل سنت کے اختلافی مسائل وغیرہا تو ہر اعتقادی مسئلہ کے لیے دلیل قطعی مانگنا نہایت جہالت کی بات ہے۔ جزا وسزا کی تفاصیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انفرادی معجزات، صحابہ کرام کے جزوی فضائل میزان کی تفاصیل پلصراط کی تشریح جنت و دوزخ کی جزوی جزوی نعمتِ وعذاب وغیرہا۔ کیا حزب مخالف ہر عقیدہ کی تفصیلات کی اجزاء پر خواہ وہ کسی قسم کی ہو آیت قطعی الدلالت یا حدیث متواتر پیش کرسکتا ہے؟ نہیں بلکہ متعدد مسائل اعتقادیہ میں حدیث صحیح تو درکنار ضعیف کو بھی ان کے بڑے بڑے علامے محدث، صوفی تقاریر وتحریر میں پیش کرتے چلے آئے ہیں بالخصوص مناقب وفضائل کی ابحاث میں محدثین وفقہا، صحیح آحاد کے علاوہ ضعیف روایتیں بھی ہر زمانہ میں صرف پیش ہی نہیں کرتے رہے بلکہ جائز بھی سمجھتے تھے۔ حزب مخالف خبر واحد مفید ظن ہے اور شرح عقائد میں ہے۔

ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادیات یعنی عقیدہ کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔

خادم اہلسنّت۔

اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ اعتقادات ضروریہ قطعیہ جن کا انکار منجر الی الکفر ہو وہاں پہ دلائل ظنی معتبر نہیں اور یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ مسائل اعتقادیہ کے مراتب مختلف ہیں اور

جو مسائل ظنی ہیں ان میں ظن کا اعتبار ہے۔ چنانچہ اسی شرح عقائد میں اس کا عقلی ثبوت
ہونے کے علاوہ تصریح بھی موجود ہے۔

ولاخفاء فی ان ھذہ المسئلۃ ظنیۃ	یعنی یہ ظاہر بات ہے کہ یہ ظنی مسئلہ ہے جس
یکتفی فیھا بالادلۃ الظنیۃ	میں دلائل ظنیہ کافی ہیں۔

مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد کے حجت ہونے کی تحقیق خود شارح عقائد کی طرف سے
دیکھنی ہو تو توضیح تلویح رکن ثانی ملاحظہ فرمائیں (انتہی بلفظہٖ نور ہدایت ص۳۸ و ۳۹)

الجواب۔ یہ سب باطل اور بے بنیاد دعاوی مؤلف نور ہدایت کی جہالت اور علمی
خیانت کا زندہ جاوید کرشمہ ہے اوّلاً اس لیے کہ اعتقادی مسائل کے مراتب کے مختلف
ہونے کا دعوے کہ بعض کا انکار منجر الی الکفر ہو اور بعض کا نہ ہو یا بعض کے لیے دلیل
قطعی کی ضرورت ہو اور بعض کے لیے دلیل قطعی ضروری نہ ہو یہ سب مؤلف مذکور کی خانہ زاد
اختراع ہے۔ اہل السنت والجماعت اور علماء عقائد جن امور کو عقائد کہتے ہیں ان کے ہاں
وہ سب قطعی ہیں اور ان کے دلائل بھی قطعی ہیں اور وہ سب کے سب ضروریات دین سے ہیں
اور ضروریات دین کا انکار یا تاویل دونوں کفر ہیں۔ عقیدہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو غیر قطعی
ہو یا جس کا انکار یا تاویل کفر نہ ہو یا جس کا ثبوت ظنی دلیل سے ہو سکتا ہے۔ ہم نے ضروریاتِ
دین اور ان کے اندر تاویل اور عقائد کے اثبات کے لیے جن دلائل کی ضرورت پیش آتی ہے
اپنی کتاب "ازالۃ الریب" میں قدرے بسط سے کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔

وثانیاً ہمارے اکابر پر یہ الزام کہ وہ متعدد مسائل اعتقادیہ میں حدیث صحیح تو درکنار ضعیف
کو بھی پیش کرتے چلے آئے ہیں ایک سفید جھوٹ، صریح بہتان اور خالص افتراء ہے۔
تعجب ہے کہ فریق مخالف نے ایسا خالص جھوٹ کہنے پر کیوں کمر باندھ لی ہے ہمارے اکابر
عقیدہ کو قطعی دلائل سے پیش کرتے ہیں اور قطعی دلائل یہ ہیں۔ قرآن کریم۔ خبر متواتر (عام
اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا تواتر طبقہ تواتر قدر مشترک ہو یا تواتر توارث ان میں سے ہر ایک
کا انکار ہمارے اکابر کے نزدیک کفر ہے۔ ملاحظہ ہو البیان الازہر صفحہ ص۱۰۳ ، ۱۰۴ از حضرت

مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ)
اور اجماع قطعی کوئی عقیدہ ہمارا ان دلائل کے بغیر کسی اور چیز پر موقوف نہیں ہے۔

وثالثاً مؤلف مذکور یہ ارشاد فرمائیں کہ جزا و سزا کی مکمل تفصیلات اور اسی طرح میزان پل صراط
جنت اور دوزخ وغیرہ کی جزوی جزوی نعمت و عذاب وغیرہ کو عقائد میں کس نے شمار کیا ہے؟
اجمالی طور پر ان کا عقائد میں ہونا تو محل نزاع نہیں ہے۔ اسی طرح ان اشیاء میں بعض امور
کی تفصیلات بھی محل نزاع سے خارج ہیں جن کا ثبوت قطعی دلائل سے ہو چکا ہے پوری
تفصیلات اور بقول خود جزوی جزوی نعمت و عذاب وغیرہ کی بحث پیش نظر رکھیے اور
پھر جواب دیجیے اور اگر ان کی بعض تفصیلات کو کسی نے عقائد میں شامل کیا ہے تو کیا
وہاں تواتر معنوی وغیرہ کا ذکر اور حوالہ نہیں دیا گیا؟ سوچ کر بتانا۔ ورابعاً کیا علمائے امت
نے فضائل اعمال اور مناقب میں غیر مشروط طور پر ضعیف حدیث کو حجت سمجھا ہے یا اس
کی کوئی شرط بھی ہے؟ اگر یہ مشروط ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں؟ ہم نے فضائل اعمال کے
باب میں حدیث ضعیف کے حجت ہونے کے بارے میں محدثین کرامؒ کی شرطیں اپنی کتاب
راہ سنت ص۲۲۵ و ص۲۲۶ میں بیان کر دی ہیں وہاں ہی دیکھ لی جائیں۔ وخامساً کیا مؤلف
نور ہدایت کے نزدیک اہل سنت کے عقائد ضروریاتِ دین سے نہیں ہیں اور کیا وہ ضروریات
دین کے علاوہ ہیں؟ اور وہ عقائد کون کون سے ہیں جو ہوں تو عقائد مگر ہوں صرف
اہل سنت کے اور ان کا انکار کفر بھی نہ ہو؟ مؤلف کو اپنی یہ عبارت پیش نظر رکھنی چاہیے
کہ۔ بعض ضروریات دین سے جن کا انکار کفر بعض ضروریات اہل سنت سے اھ
بس دریافت طلب صرف اتنی بات ہے کہ ہوں وہ عقائد اور ہوں بھی ضروریات اور
ہوں وہ عقائد اہل سنت کے مگر کفر نہ ہوں؟ ذرا سنبھل کر پھر سوچ کر ہوش و حواس کو قائم
رکھ کر جواب دینا، نیز یہ بھی بتائیں کہ اہل السنت کے آپس میں کون کون سے عقائد میں
اختلافات ہیں؟ عقائد کی کیفیات یا تفصیلات یا دیگر فرعی مسائل محل نزاع نہیں ہیں۔

وسادساً خبر واحد صحیح کے بارے میں یہ کس کتاب میں ملے گا کہ اس سے عقیدہ ثابت ہو

ہو سکتا ہے؟ عقیدہ اور خبر واحد کی تصریح ہو نزاع اس میں نہیں ہے کہ کیا کوئی مسئلہ بھی خبر واحد سے ثابت ہے یا نہیں؟ مسئلہ کے اثبات کا جھگڑا نہیں ہے جھگڑا صرف عقیدہ کے اثبات کا ہے اور ہماری دلیل آپ ان کتب میں ملاحظہ کرلیں۔ شرح مواقف ص۲۷ طبع نول کشور۔ شرح فقہ اکبر ص۶۸ طبع کان پور۔ مسامرہ جلد ۲ ص۷۸ طبع مصر اور شرح عقائد ص۱۰۱ طبع کانپور اور ملاحظہ کریں کہ ان تمام کتب میں خبر واحد اور عقیدہ کی تصریح موجود ہے بایں طور کہ خبر واحد اگرچہ صحیح بھی ہو اثبات عقیدہ کے لیے بالکل ناکافی ہے حافظ ابن حجرؒ سے سن لیجئے وہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

الاحادیث اذا کانت فی مسائل عملیۃ یکفی فی الاخذ بہا بعد صحتہا افادتہا الظن اما اذا کانت فی العقائد فلا یکفی فیہا الا ما یفید القطع (فتح الباری جلد ۸ ص۴۳۱)

یعنی جن مسائل کا تعلق عمل سے ہے ان میں صحیح احادیث سے استدلال کرنا کافی ہے۔ کیونکہ اعمال کے لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو ان میں صرف وہی حدیثیں قابلِ قبول ہوں گی جو صرف قطعی ہوں

اور اصول شاشی سے لے کر توضیح و تلویح تک اصول کی جملہ کتابوں میں نیز اصول حدیث کی کتابوں مثلاً فتح المغیث، تدریب الراوی۔ شرح نخبۃ الفکر مقدمہ ابن صلاح اور توجیہ النظر وغیرہ میں اس کی تشریح ملاحظہ کریں، کہ خبر واحد صرف مفید ظن ہوتی ہے۔ حضرت امام نوویؒ نے بھی جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی صرف یہ ہے کہ اعمال میں خبر واحد حجت ہے۔ امام نوویؒ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ عقائد میں خبر واحد حجت ہے یہ مؤلف "نور ہدایت" کا ان پر صریح بہتان اور افترا ہے۔ کیونکہ اسی صفحہ میں امام نوویؒ نے بعض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ خبر واحد مفید علم ہے اور دیگر اقوال کی طرح اس کو بھی باطل کہا ہے۔ اور تصریح کی ہے کہ یفید الظن ولا یفید العلم (دیکھئے جلد ۱ ص۲۲) اور اگر اور کتابیں نہ مل سکیں تو مؤلف مذکور اصول شاشی ہی دیکھ لیں۔

اسی طرح شرح عقائد ص۱۲۶ سے جو عبارت مؤلفِ نورِ ہدایت نے اپنے مدعا پر پیش کی ہے وہ بھی بالکل غیر متعلق ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ خبر واحد عقیدہ میں حجت ہوتی ہے۔ کسی ظنی مسئلہ میں خبر واحد کا (جو ظنی ہے) حجت ہونا محل نزاع نہیں ہے بلکہ انہوں نے تو اپنی کتاب صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶ میں تصریح کی ہے کہ مقاصدِ علمِ کلام یہاں تک پورے ہو چکے ہیں آگے جو مسائل بیان ہوں گے وہ اہلِ اسلام اور اہل سنّت کے قانون کے طور پر مسائل ہوں گے۔ مسائل اور اعتقاد کا فرق ہے۔ اسی طرح مؤلف "نور ہدایت" نے جو یہ لکھا ہے کہ "مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد کے حجت ہونے کی تحقیق خود شارح عقائد کی طرف سے دیکھنی ہو تو توضیح تلویح رکن ثانی ملاحظہ فرمائیں" بلفظہٖ۔ اس کا وہ ثبوت پیش کریں ہم منتظر ہوں گے کہ وہ کون سی توضیح تلویح ہے اور وہ کونسا رکن ثانی ہے جس میں علامہ تفتازانیؒ شارح عقائد نے یہ لکھا ہے کہ مسائل اعتقادیہ میں خبر واحد حجت ہے ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں نہ ہوں خبر واحد اور عقیدہ کی تصریح ہو، اور یہ بھی تصریح ہو کہ خبر واحد عقیدہ میں حجت ہے اور ہو تلویح سے۔ عدم حجیت نہ ہو کیوں کہ وہ تو ہمارا موقف ہے۔ ہم ان جملہ جوابات کے اشد منتظر رہیں گے ان کو ادھار سمجھئے اتفاقی وعدہ نہ سمجھئے کما قیل ؎

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

قارئین کرام ہم نے بقدر ضرورت مناسب تفصیل کے ساتھ "نورِ ہدایت" پر محض خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور جناب امام الانبیاء سید الرسل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد صحیح و صریح کے پیش نظر کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ دین قیم کی حفاظت اور اس کی طرف سے مدافعت اور خلق خدا کی رہنمائی کے لیے کلام کیا ہے اہلِ حق و انصاف تو ضرور قرآن کریم صحیح احادیث اور سلف صالحین کی ٹھوس اور مستند عبارات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے اور نہ ماننے والے تو آخر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پاک زبانوں سے بلا واسطہ سن کر

بھی ایمان نہ لائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح شراب کے نشہ میں انسان کی عقل
مفلوج ہو جاتی ہے اسی طرح کفر و شرک اور بدعت کے غلط جذبات اور خواہشات کے نشہ
سے بھی عقل اندھی ہو جاتی ہے اور جس طرح ایک شرابی کو بحالت شراب ٹھوس دلائل اور
براہین سے قائل کرنا ناممکن ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جذبات اور خواہشات و اہواء سے
مغلوب انسان کی عقل و بصیرت کو اپیل کرنا بھی سراسر بیکار اور بے سود ہے۔ مگر اہل فہم و بینش
کے لیے ضرور حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے بے شمار انفسی اور آفاقی دلائل
حسی اور معنوی طور پر قائم کر دیے ہیں اس لیے ہر آدمی کو فکر آخرت اور خوف خدا کو سامنے
رکھ کر ٹھنڈے دل کے ساتھ اپنے سود و زیاں کو ایک مرتبہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے اور
یہ جان لینا چاہیئے کہ حق اور اہل حق کے ساتھ عداوت اور عناد کہیں اس کی اخروی اور
ابدی زندگی کو ہی تلف نہ کر دے اور اس پر بخوبی غور کر لینا چاہیئے کہ کہیں اپنا ہی گھر نہ جل
رہا ہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

مؤلف "نور ہدایت" نے ہماری کتاب "دل کا سرور" کے بعض مسائل اور ہماری بعض عبارات
پر بھی گرفت کی ہے مگر ہم نے ایسے مسائل جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ "دل کا سرور" کے ساتھ
گہرا تعلق ہے اس کتاب میں ان کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا تاکہ ایک تو کتاب کا
حجم بلاضرورت نہ بڑھ جائے اور دوسرے مسائل میں زیادہ بے ربطی بھی پیدا نہ ہو دل کا سرور
طبع دوم ختم ہو چکا ہے اور اب طبع سوم کی تیاری ہے ہم انشاء اللہ العزیز ان امور کا سی[1]
میں جائزہ لیں گے اور بتائیں گے کہ مؤلف نور ہدایت کتنے پانی میں ہیں؟ اور ہم نے کیا
کہا تھا اور انہوں نے کیا کہا ہے؟ لہٰذا اس کتاب کو ہم اسی پر ختم کرتے ہیں اور قارئین کرام
سے التجا کرتے ہیں کہ وہ تمام اہل توحید کے لیے دعا کریں اور خصوصیت سے اس ناچیز
کے لیے جس کی تھوڑی سی فانی زندگی میں خدا جانے کیسے کیسے اور کتنے بڑے بڑے گناہ

[1] اور بحمد اللہ تعالیٰ خوب خوب جائزہ لیا گیا ہے۔

صادر ہو چکے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی ستار اور غفار ہونے کی صفت پہ دھیان پڑتا
ہے تو بے اختیار زبان سے یہ نکلتا ہے کہ ؎

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت
کریم تو ہی بتا دے حساب کر کے مجھے

اور دل بیقرار میں جو ہمیشہ سیماب کی طرح لرزاں رہتا ہے ایک گونہ اطمینان کی
لہر دوڑ جاتی ہے اور پھر جب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا لذیذ تصور ذہن
میں آتا ہے تو نہ پوچھیے سرور و وجد کی کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے کہتے ہیں کہ بانسری اندر سے
خالی ہوتی ہے مگر وہ دردوں سے بھری رہتی ہے یہی حال میرے دل کا ہے۔ دل تو نہیں
چاہتا کہ ایسی وجدانی کیفیات کا تذکرہ چھیڑ کر قارئین کو مزید پریشان کیا جائے مگر اشارہ
کیے بغیر بھی لطف نہیں آتا لہٰذا اسی پر بس ہے اگرچہ ؎

رہرواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است وہم خود منزل است

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ
اَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَجَمِيْعِ اُمَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اٰمِيْن يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن

وَاَنَا الْعَبْدُ الْاَحْقَرُ اَبُوالزَّاهِد
محمد سرفراز خاں صفدر
الخطیب بجامع گکھڑ منڈی۔ الهزاروی وطنا والدیوبندی مسلکا
و متلمذا والحسینی مشربا

یوم الجمعۃ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ
۳ / اکتوبر ۱۹۵۸ء